انتخابِ نثرِ کلاسیکِ فارسی

برائے دانشجویانِ بی۔اے۔ (فارسی)(C.B.C.S.)

مرتب: خورشید احمد

اسسٹینٹ پروفیسر (ایڈہاک)

ذاکر حسین دہلی کالج (شبینہ)

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

انتخابِ نثرِ کلاسیکِ فارسی

برائے دانشجویان(.B.A.(C.B.C.S(فارسی)

اشاعت اول : ۲۰۱۸ء

تعداد:۱۰۰

ناشر: گریٹ بک کانٹریکٹر

۱۷۴۱،رود گران،لال کنواں، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

فون نمبر:۹۲۱۰۴۹۲۰۸۳

قیمت:۳۰۰روپیہ

مطبع: راجیش پرنٹنگ پریس، پہاڑ گنج نئی دہلی

INTEKHABE NASRE CLASSIC E FARSI
By: Khursheed Ahmed
Email: khursheed267@gmail.com

ISBN:978-93-85346-32-3
Edition: 2018
Price: 300.00
Published by: Great Book Contractor
1741, Rod Gran, Lal Kuan,
Delhi 110006
Ph. No.: 9210492083
Email: greatbookcontractor@gmail.com

پیش لفظ

کتاب ''انتخاب نثر کلاسیک فارسی'' دراصل دہلی یونیورسٹی کے سی بی سی ایس، بی۔ اے۔ فارسی (آنرس) کے طلبہ کیلیئے نصابی کتاب ہے جسے خورشید احمد نے نہایت محنت، دقت نظر اور تلاش و تحقیق کے بعد مرتب کیا ہے۔ جسمیں ۱۰ کلاسیکی متون کو شامل کیا گیا ہے اور جن میں سفر نامہ ناصر خسرو، مرزبان نامہ، چہار مقالہ، جہانگیر نامہ، جوامع الحکایات و لوامع الروایات، خطوط غالب، کشف المحجوب، فوائد الفواد، گلستان سعدی اور قابوس نامہ شامل ہیں۔

ہندوستان میں فارسی ادب کی تاریخ نہایت قدیم اور درخشاں رہی ہے جسمیں ۱۲۰۶ عیسوی میں قطب الدین ایبک کے دہلی میں پہلے سلطان کی حیثیت سے تخت حکومت سے مسلسل ۵۰۰ سالوں تک فارسی کو درباری، سرکاری، علمی اور ادبی زبان کا درجہ حاصل رہا ہے اس عہد میں ہمیں شعرا کا کلام، تذکرے، انشا کی کتابیں، فارسی لغات اور ملفوظ ادبیات کی متعدد شاہکار تصنیفات ملتی ہیں، جن میں سے ہزاروں ابھی تک ایسی ہیں جو میوزیم اور کتابخانوں میں دھول چاٹ رہی ہیں اور کبھی انہیں سائنٹفک تصحیح کیلیئے منتخب نہیں کیا جا سکا ہے۔ مگر اس درخشاں ماضی کے ساتھ ہی عہد حاضر میں طلبا کے فارسی سیکھنے اور اپنے بزرگوں کے ناقابل فراموش کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلیئے فارسی آموزی کا نصاب نہایت با معنی اور پرامید ہے مگر طلبہ کی مدد کیلیئے موجودہ فارسی متن میں جگہ جگہ قرانی آیات، احادیث نبوی اور ضرب الامثال عربی کے اردو تراجم سے ان متون کی اہمیت کو دوچندان کر دیا گیا ہے۔ اس انتخاب کی سب سے اہم خصوصیت یہی ہے کہ ہر کلاسیکی متن سے قبل اُس متن کی خصوصیات، مؤلف کے بارے میں سیر حاصل تبصرہ اور متن کی اہمیت اور افادیت کو اردو میں اچھے انداز میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔

خورشید احمد ہمارے طالب علموں کی اُس صف سے متعلق ہیں جنہوں نے کامرس میں گریجویشن کے بعد فارسی کی طرف قدم بڑھایا ہے اور دہلی یونیورسٹی سے سرٹیفیکٹ کورس سے ترقی کرتے ہوئے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کو مکمل کیا اور اسی درمیان ذاکر حسین ایوننگ کالج

میں فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز کر دیا۔ کوئی دوسرا ان سے زیادہ مناسب فارسی استاد نہیں ہوگا جو اپنے طلبہ کو اس بات کی طرف راغب کر سکے کہ اگر انسان محنت کرے تو سب کچھ حاصل کر سکتا ہے اور تمام کامیابیوں کی کنجی مسلسل اور انتھک محنت ہے۔

زیر نظر انتخاب میں نصاب کے سبھی کلاسیکی نثری متون کو نہایت اچھے ٹائپ میں ان سے متعلق اطلاعات کو اردو میں بہتر طریقے سے پیش کیا ہے۔

میں خورشید احمد کو دوران پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اپنے تھیسس کی تیاری میں ہمہ وقت مصروف اور تصحیح وتدوین متن کی مشکلات سے روبرو ہونے کا عینی شاہد ہوں اور انکی محنت، دقت نظر اور منابع پر انکی نظر کا قائل ہوں جو انہیں ایک بہتر محقق اور اسکالر بنانے کیلئے ضروری تھا اور میں انہیں عملی زندگی میں کامیابی وکامرانی کی دعا دیتا ہوں۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا کی کوئی کتاب صحیفۂ آسمانی نہیں ہو سکتی اور اسی لئے یہ انتخاب بھی کمیوں اور نواقص سے پاک ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن جتنا میں نے اس انتخاب کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ خورشید میاں نے بہت زیادہ محنت، کئی مرتبہ پروف ریڈنگ اور ٹائپ کی غلطیوں کی تصحیح کا صبر آزما کام بخوبی انجام دیا ہے پھر بھی اگر کچھ غلطیاں اسمیں رُخ پا گئی ہیں تو اگلی اشاعت میں ان کو درست کیا جا سکتا ہے۔ میں ذاتی طور پر خورشید صاحب کو اس علمی کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ: اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

پروفیسر علیم اشرف خان
صدر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی
دہلی، ۱۱۰۰۰۷
فون نمبر ۹۹۷۱۵۸۴۷۹۰
aleemashrafkhan@gmail.com

دیباچہ

کتاب انتخابِ نثرِ کلاسیکِ فارسی اُن اقتباسات کا مجموعہ ہے جو گریجویشن میں فارسی نصاب کا حصہ ہیں اور انہیں ہمارے شاگرد و ہمکار خورشید احمد نے بڑی کاوشوں سے یکجا کیا ہے۔ حالیہ چند برسوں کے دوران دہلی یونیورسٹی کے نصاب میں بڑے انقلابات برپا ہوئے، جیسے کورس کو Annual سے Semester کیا گیا اور کچھ عرصہ بعد کورس کی مدت تین سال سے چار سال کی گئی، اس کے لئے راتوں رات نصاب تیار کیا گیا یہ ایک بڑی تبدیلی تھی جو کہ ہماری یونیورسٹی میں رونماں ہوئی۔ ابھی ان نئے مسائل کو حل کرنے کی کوشش یں جاری ہی تھیں کہ تبدیلی نصاب نے ایک اور کروٹ لی اور پھر واپس تین سالہ کورس کر دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے بعد یو جی سی نے ایک یونیفورم نصاب کی تجویز رکھی جسے سی بی سی ایس کا نام دیا گیا۔ سی بی سی ایس (choice based credit system) سے مراد اس نصاب سے ہے جس میں طلباء کو اپنی پسند کے کچھ مضامین پڑھنے کا اختیار ہوتا ہے اس کے براہ راست اثرات فارسی نصاب پر بھی پڑیں اور یو جی سی نے ایک کل ہند کمیٹی بنا کر اسے یہ ذمے داری دی کہ پورے ملک میں ایک نصاب بنایا جائے اور ہر یونیورسٹی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس نصاب میں اپنی ضرورت کے مطابق کچھ حد تک تبدیلی کر سکتی ہے۔

پیش نظر کتاب اس نصاب کے ایک حصہ کا احاطہ کرتی ہے جس کا تعلق فارسی ادب کے کلاسیکل متون سے ہے۔ اس انتخاب میں پانچ اقتباسات ایران میں لکھے گئے جن میں سفر نامہ ناصر خسرو، چہار مقالہ، مرزبان نامہ، گلستانِ سعدی اور قابوس نامہ شامل ہیں۔ اسی طرح پانچ مضامین جیسے جہانگیر نامہ، جوامع الحکایات و لوامع الروایات، خطوطِ غالب،

کشف المحجوب اور فوائد الفؤاد کا تعلق ہندستانی فارسی ادب سے ہے۔ کتاب میں عناوین کی ترتیب نصاب کے اعتبار سے رکھی گئی ہے یعنی جو متن پہلے پڑھایا جاتا ہے اس کو پہلے رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب ہمارے اس منصوبہ کا پہلا حصہ ہے جو ہم نے اس نئے نصاب میں شامل متون کے متعلق بنایا تھا اور اسے ہمارے ہمکار خورشید احمد نے بخوبی انجام دیا ہے۔ ہم نے پورے نصاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں کلاسیکل نثر، کلاسیکل نظم، جدید نثر اور جدید نظم شامل ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ میرے نوجوان دوست اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنائیں گے اور باقی حصے کو بہ حسن وخوبی انجام دینگے، جو طلباء کی تعلیم وتربیت میں معاون و مددگار ثابت ہوگا اور فارسی زبان وادب کی تعلیم سے وابستہ احباب اس کی سرپرستی فرمائیں گے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازئیں گے، ان شاء اللہ۔

آخر میں، میں خورشید احمد کو انکی اس کوشش کے لئے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور انکے کامیاب مستقبل کی باری تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی
شعبۂ فارسی
ذاکر حسین دہلی کالج (شبینہ)۔ نئی دہلی

عرض حال

پیش نظر کتاب، فارسی کے اُن کلاسیکل متون کا انتخاب ہے جو دہلی یونیورسٹی میں بی۔ اے۔ فارسی آنرس (سی۔ بی۔ سی۔ ایس۔) کے نصاب کا حصہ ہیں۔ اب سے پہلے عرصہ دراز تک بی۔ اے۔ کے امتحانات سالانہ ہوتے تھے تو اُن نصابی ضروریات کو بہت حد تک حکیم ذکی احمد خاں صاحب کی مرتب کردہ کتاب ((نصاب جدید فارسی،)) پورا کرتی تھی اور یہ کتاب بازار میں آج بھی باآسانی دستیاب ہے، جس سے طلباء فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ لیکن جب سے بی۔ اے کے امتحانات نیم سالہ ہونے لگے اور نصاب بدلا تو طلباء کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب ناکافی ہو گئی۔ موجودہ نصاب میں جو انتخاب شامل ہیں ان میں بیشتر (گزیدہ ای از نظم و نثر فارسی،) نثر کہن (حصہ نثر) سے اخذ ہیں۔ یہ کتاب (انتشارات وزارت فرہنگ و ہنر، ادارۂ کُل نگارش، ایران) سے شایع ہوئی ہے، جس میں ہندوستان کے مختلف کالج اور یونیورسٹیوں میں تدریس کے لئے فارسی کے تقریباً پچاس اہم متون کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جس میں تاریخ، اخلاق، مذہب، عرفان، انشا اور رقعات کے چیدہ نثری شاہکار شامل ہیں۔

ہندوستان میں فارسی زبان کا ماضی تو پُر شکوہ رہا ہے، اس زبان کا تعلق حکمراں طبقہ سے بھی تھا، شرفاء اس زبان کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنانے میں فخر محسوس کرتے تھے، فضلاء کے مکالمہ کی زبان تھی، عرفاء کے کسب فیض کی زبان رہی، انشا پردازوں کے مکتوب کی زبان تھی غرض اس زبان کو خواص کی زبان ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ لیکن آج صورت حال بالکل مختلف ہے، کالج اور یونیورسٹی کے نصاب میں جن مضامین کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ

کتابیں تک بازار میں دستیاب نہیں، مثلاً زیادہ تر اقتباسات ((نثر کہن)) سے ماخوذ ہیں اور یہ کتاب ہندوستان کے بازار میں تو ملتی نہیں، کالج اور یونیورسٹی کے کتابخانے میں چند گنی چنی کاپیاں ہی بچی ہوئی ہیں جن سے سبھی طلباء فیض یاب نہیں ہو پاتے، غرض کہ صرف فوٹو کوپی کے سہارے ہی تمام درسی ضروریات پوری کی جاتیں ہیں۔ فوٹوکاپی سے فوٹوکاپی ہوتے ہوتے بعض مرتبہ پرنٹ اتنا ہلکا ہو جاتا ہے کہ پڑھنا بھی دشوار ہوتا ہے اور رہا سوال فوٹوکاپی کا تو اُن صفحات کو سنبھال کر رکھنا بھی نہایت مشکل امر ہے اور امتحان سے قبل انکا گم ہو جانا بھی ممکن ہے۔

موجودہ کتاب کی ضرورت انہیں تقاضوں کے پیش نظر محسوس کی گئی، یہ کتاب نصاب کے صرف ایک حصہ کا احاطہ کرتی ہے جس کا تعلق فارسی کلاسیکل نثر سے ہے جو بی۔ اے۔ فارسی آنرس کے مختلف سیمیسٹرس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ نصاب میں شامل زیادہ تر انتخاب ((نثر کہن)) سے اخذ ہیں تو وہ متن اس کتاب سے ہی نقل کیا گیا ہے۔ صحتِ متن کی غرض سے نثر کہن کے مآخذ اور دیگر شایع شدہ نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔ جہانگیر نامہ کا انتخاب ((نصاب جدید فارسی، باہتمام حکیم ذکی احمد خان، مطبوعہ جیّد پریس بلیماران، دہلی)) سے اور چہار مقالہ کا انتخاب ((چہار مقالہ، تصحیح محمد قزوینی، انتشارات دانشگاہ تہران، ایران)) سے کیا گیا ہے۔ ہر متن سے پہلے اُس تألیف اور مؤلف کا مختصر تعارف بھی دیا گیا ہے امید ہے اس کوشش سے طلباء ضرور بہرہ مند ہونگے۔ متون کی تعریف و توصیف اور انکے مؤلفین کی سوانح کے بارے میں لکھنے میں تذکرۃ، متون کے تراجم، تصحیح شدہ متون کے مقدمے اور تعلیقات، اساتذہ کے مضامین اور تاریخ (جیسے: تاریخ ادبیات ایران، شعرالعجم، بزم صوفیہ، بزم مملوکیہ، بزم تیموریہ، رود کوثر، موج کوثر، آب کوثر، وغیرہ)، سے مدد لی

گئی ہے۔ متون کے اردو تراجم کا جان بوجھ کر ذکر نہیں کیا گیا ہے، وہ اس لئے کہ طلباء کی توجہ صرف فارسی متن پر ہی رہے اور وہ متن کے معنی و مفاہیم سمجھنے کی کوشش کریں۔ صرف قرآنی آیات اور عربی عبارات کا اردو ترجمہ حواشی میں دیا گیا ہے، جس کے لئے میں اپنے عزیز کرم فرما دوست ڈاکٹر محمد اکرم صاحب جو کہ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں استاد ہیں تہٴ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس کام میں انہوں نے میری مدد فرمائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ کتاب فقط بی۔اے۔ آنرس (فارسی) کے طلباء کی ضروریات کے پیش نظر مرتب کی گئی ہے۔ میں اپنے شفیق اساتذہ اور دوستوں سے درخواست گزار ہوں کہ اس میں ابھی مزید ترمیم و اضافے کی گنجائش باقی ہے اس لئے اپنے مفید مشوروں سے ضرور نوازیں اور کمی و کوتاہی کو درگذر فرمائیں۔

آخیر میں یہ لازم سمجھتا ہوں کہ میں اپنے شفیق اساتذہ اور دوست واحباب کا شکریہ ادا کروں کہ جن کے کرم اور مہربانیوں کی وجہ سے یہ کام ممکن ہو سکا۔ سب سے پہلے میں اپنے شفیق استاد و راہنما، صدر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی جناب علیم اشرف خان صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کراتا ہوں کہ جن کی محنت اور شفقت کی وجہ سے یہ کام کرنا میرے لئے آسان ہوا، اور جب کبھی بھی کوئی دشواری پیش آئی تو استاد محترم نے راہنمائی فرمائی۔ میرے لئے یہ امر مایۂ افتخار ہے کہ استاد نے اس ناچیز کی نہ صرف پی۔ایچ۔ڈی۔ میں راہنمائی فرمائی بلکہ علمی و عملی زندگی میں آپ ہمیشہ سرپرستی فرماتے ہیں۔ میں اپنے اوپر مقدم سمجھتا ہوں کہ استاد محترم جناب محمود فیاض ہاشمی صاحب کا دل سے شکریہ ادا کروں کہ جن کے مشورے سے اس کام کا آغاز ہوا، اور استاد محترم نے کام کے دوران اپنے نیک مشوروں سے نوازا۔ اس طرح اپنی استاد محترمہ فوزیہ صاحبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں

نے ہمیشہ اپنے مشوروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی کی۔ میں پروفیسر سیدہ بلقیس فاطمہ حسینی صاحبہ، پروفیسر چندر شیکھر صاحب، پروفیسر راجندر کمار صاحب، ڈاکٹر جمیل الرحمٰن صاحب و دیگر اساتذہ کا شکر گذار ہوں کہ جن کی کاوشوں، دعاؤں اور شفقتوں نے ہمیشہ تقویت بخشی۔ آخیر میں اپنے تمام دوست و احباب کا شکر گزار ہوں کہ جب بھی کبھی ضرورت پیش آئی میری مدد فرمائی۔

شکریہ

خورشید احمد

شعبۂ فارسی،
ذاکر حسین دہلی کالج (شبینہ)
نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲
فون نمبر: ۹۸۱۱۷۳۹۶۴۳

فهرست

عنوان	صفحه
سفرنامه حکیم ناصر خسرو	۳
مرزبان نامه	۳۱
چهار مقاله	۵۵
جهانگیر نامه	۸۱
جوامع‌الحکایات و لوامع الروایات	۹۷
خطوطِ غالب	۱۲۷
کشف‌المحجوب	۱۳۹
فوائدالفواد	۱۵۹
گلستانِ سعدی	۱۸۵
قابوس نامه	۲۰۷

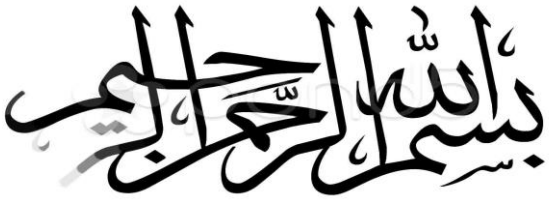
بسم الله الرحمن الرحیم

سفر نامہ حکیم ناصر خسرو

حکیم ابو معین ناصر بن خسرو قبادیانی ۳۹۴ ہجری مطابق ۱۰۰۳ عیسوی کو بلخ میں پیدا ہوا۔ سلسلۂ نسب سات واسطوں سے امام ہمام علی موسیٰ الرضا علیہ السلام (جو مشہد مقدس میں مدفون ہیں اور شاہِ خراسان کے نام سے معروف ہیں) تک پہنچتا ہے۔ حکیم ناصر خسرو قرآن حفظ کرنے کے بعد سالہا سال تک معقولات اور منقولات کی تحصیل میں مشغول رہا، اس نے وہ تمام علومِ متداولہ اور فنون مروجہ مثلاً نجوم، رمل وغیرہ سیکھ لئے جو اس زمانے میں منجملہ کمالات میں شمار ہوتے تھے اور جن کے بغیر کسی شخص کو بھی دانشور اور حکیم نہیں سمجھا جاسکتا تھا، کہتے ہیں کہ دینی علوم اور فنون حکمت کے علاوہ جو اہل اسلام میں مروج تھے، اسے تمام آسمانی کتابوں مثلاً تورات، انجیل اور صحائف پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ یہاں تک کہ یہودی اور مسیحی علماء و فضلا بھی یہ کتابیں اس سے پڑھتے تھے، اس نے اپنے سفر نامہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ عبرانی زبان اور عبرانی رسم الخط سے بھی ناواقف نہیں تھا، کیونکہ اس نے فلسطین کے حالات بیان کرتے ہوئے بعض عبرانی کتبوں کے مضامین کی وضاحت کی ہے۔

مختلف علوم میں مرتبۂ کمال حاصل کرنے کے بعد ناصر خسرو سالہا سال درس و تدریس میں مشغول رہا اور اس کی شہرت ایران و خراسان میں خوب پھیل گئی، ان دنوں طغرل بک سلجوقی نیشاپور میں اور اس کا سب سے چھوٹا بھائی مرو میں حکمران تھے، حکیم ناصر خسرو کو چغربک کے دربار میں مقرب خاص کا منصب حاصل ہوا اور وہ دبیر کے عہدے پر فائز ہوا جیسا کہ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے، اسے حکومت کے مالی اور دیوانی امور میں پورے پورے اختیارات حاصل تھے۔

۴۳۴ ہجری تک جبکہ ناصر خسرو کی عمر ۴۲ سال ہو چکی تھی وہ امیر چغربک کی ملازمت سے وابستہ تھا حجاز کے شوق نے یہاں سے چلنے پر مجبور کر دیا اور اس نے ملازمت ترک کرکے جاہ و حشمت کے تمام اسباب کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے سب سے چھوٹے بھائی ابو سعید اور ایک غلام کو ساتھ لے کر اس سفر پر روانہ ہو گیا، جس کی روداد اس نے اس سفر نامہ میں لکھی ہے، وہ خراسان، عراقِ عجم اور آذر بائیجان سے ہوتا ہوا آرمینیہ میں پہنچا اور وہاں سے ہوتا ہوا شام، فلسطین اور عراقِ عرب کی سیاحت کرکے زمانۂ حج میں مکہ معظّمہ پہنچ گیا، اس کے بعد مصر اور وہاں تقریباً تین سال قیام کیا اور ان تمام ملکوں کی مختلف قوموں اور مذہبوں سے واقفیت حاصل کی۔ خاص کر مصر میں اسماعیلیہ شیعوں سے دینی مطالب اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی، اور ان کا مذہب اختیار کر لیا اور اس طریقہ کے متعصب گروہ میں داخل ہو کر ایرانیوں میں اس مذہب کی تبلیغ کرنے کے لئے ایران و خراسان کا رخ کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ علوم غریبہ اور تناسخ کی باتیں کرتا تھا۔ اس کے مقالات علمائے عصر کے فہم سے بالاتر تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کے خاص و عام اس سے بیزار ہو گئے اور لوگ اسے ہلاک کرنے کے در پر پہنچ گئے خاص کر سنی و احناف کے لوگ، دوسری جانب اس کی شکایت سلجوقی امرا سے بھی کی، سلجوقی امرا نے بھی تادیبی رویہ اختیار کیا۔ سلجوقی امرا کی ناراضگی کے ڈر سے شہر شہر گھومتا پھرا۔ چنانچہ وہ خراسان سے بلخ چلا گیا، وہاں کچھ عرصہ چھپا رہا یہاں تک کہ کوہستانِ بدخشان میں روپوش ہو گیا۔ اس روپوشی اور آوارہ گردی کی یادگار کتاب «زادالمسافرین» ہے اور اس میں اسمعیلی عقائد کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور فلسفیانہ مقالات اور تحقیقات لکھیں ہیں۔ اس کتاب کا شمار فارسی زبان کی اہم فلسفیانہ کتابوں میں ہوتا ہے۔ اپنی اس کتاب کی تعریف میں خود لکھا ہے:

ز تصنیفات من «زادالمسافر» که معقولات را اصل است و قانون
اگر بر خاک افلاطون بخوانند ثنا خواند مرا خاک فلاطون

خراسان، ماژندران اور طبرستان میں کچھ دن رہنے کے بعد ناصر خسرو ۴۵۶ ھ کے آخر میں بدخشان کی حوالی یمگان چلے گئے اور یہاں عزلت گزین ہو گئے اور یہیں ۴۸۱ ھ میں وفات پائی۔ حجاز سے واپس آنے سے لے کر وفات تک ناصر خسرو اپنے عقائد کی وجہ سے لعن طعن کا نشانہ بنا رہا اور بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔

سفر نامہ اور زادالمسافرین کے علاوہ ناصر خسرو کے آثار میں وجہ دین، خوان اخوان، دلیل المتحیرین، روشنائی نامہ، سعادت نامہ اور دیوان اشعار بھی شامل ہیں۔ اپنی تصانیف کے بارے میں خود کہتے ہیں:

منگر بدین ضعیف تنم ز آنکه در سخن
زین چرخ پرستاره فزون‌ست اثر مرا

ناصر خسرو کے دیوان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار تک لکھی ہے، لیکن اب اس میں بارہ ہزار سے زیادہ اشعار نہیں ہیں ناصر کا کلام تصنع سے پاک ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے دل سے کہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس کی پند ونصائح دل پذیر ہیں اور اس کے قصائد اور مثنویاں بلند پایہ ہیں، ان کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ ان میں دینی مسائل پر بحث ہے اور دنیا کی بے ثباتی اور اس کی رنگا رنگی سے نفور ملتا ہے۔ اس کے اشعار میں نہ تغزل ہے نہ مدح سرائی۔ قصیدے زیادہ تر علم و حکمت کی تعریف میں لکھے ہیں۔

نمونہ کلام:

اگر شاعری را تو پیشه گرفتی — یکی نیز بگرفت خنیاگری را
صفت چند گوئی ز شمشاد و لاله — رخ چون مه و ز فلک عنبری را
به علم و به گوهر کنی مدحت آن را — که مایه است مر جهل و بدگوهری را
به نظم اندر آری دروغ و طمع را — دروغ‌ست سرمای مر کافری را
من آنم که دریای خوکان نریزم! — مرین قیمتی دُرّ لفظ دری را!

علم و حکمت کے بارے میں ایک رباعی کہی ہیں:

تن به جان زنده است و جان زنده به علم
دانش اندر کان جانت گوهر است
علم جان جان تست ای هوشیار
گر بجویی جان جان را در خورست

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

سر علم‌ها علم دین است کان! مثل میوه باغ پیغمبری‌ست
بدین از خری دورباش و بدان که بدینی ای پور بیکش خری‌ست

ناصر خسرو ایک آزاد، صاحب نظر، ایمان دار اور دیانت دار شاعر تھا۔ دیانت روحانی اور اخلاقی امور ان کا مدارِ فکر ہیں۔ یہ سب خصوصیات ان کے کلام کو ایک مخصوص رنگ دیتی ہیں۔ ان کے کلام میں بھی ان کے مذہبی رجحانات اور تعصب دکھائی دیتا ہے، اس کی شاعری کا اہم موضوع بھی مذہب فاطمیہ کی تبلیغ ہے اس کے علاوہ فلسفہ، حکمت، نصیحت، موعظت (ترکِ دنیا) تکوینِ عالم، مناظرِ قدرت، نجوم و افلاک، صنایع بدایع، اخلاقیات، اہل بیتِ رسالت کی مدح، خلیفہ مصر کی مدح وغیرہ ان کی شاعری کے اہم موضوع ہیں۔

سفر نامہ کے خاتمہ پر ناصر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ممالک مشرق کے حالات جداگانہ لکھوں گا، لیکن سفر نامہ کا یہ حصہ مفقود ہے۔ البتہ ضمناً اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور تک آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا۔ سفر نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"من بدین اسیوط فوطه‌ای دیدم از صوف گوسفند کرده که مثل آن نه به لهاوور[1] دیدم و نه به ملتان و به شکل پنداشتی

---

۱. لاہور۔

حریر است"[1].

اور اس کے علاوہ ناصر خسرو نے سفر نامہ کے خاتمہ میں سیاحت مشرق کے متعلق یہ مختصر جملہ لکھا ہے جو قابل ملاحظہ ہے:

"اگر ایزد سبحان و تعالی توفیق دهد چون سفر طرف مشرق کرده شود، آنچه مشاهده افتد بِان ضم کرده شود"[2].

لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ناصر خسرو ہندوستان نہ آ سکا، ناصر نے سفر نامے میں بیت المقدس، مشہد خلیل، خانۂ کعبہ، روضۂ نبوی اور قاہرہ کے حالات مفصل لکھے ہیں۔ ناصر خسرو کے سفر نامے کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- ہر شہر و قصبہ اور موضع کا جغرافیہ محل وقوع فصل اور دیگر خصوصیات بیان کی ہیں۔
- فرماں روائے وقت، حکما، علما، صوفیا، اور شعرا کا ذکر اور ملاقات کا مختصر حال لکھا ہے۔
- سرکاروں اور انکی طرز حکومت، انصاف و مظالم اور محکمے کا حال درج کیا ہے۔
- آثارِ قدیمہ کی تفصیلات شامل کی ہیں۔
- مساجد، گرجا گھر، خانقاہیں، زیارت گاہیں، مقابر، مدارس، حمامات اور قلعے وغیرہ کا حال بیان ہوا ہے۔
- مصنوعات ملکی، درآمد و برآمد خصوصاً کپڑے، نرخ اور قیمتیں وغیرہ
- مناظر قدرت، باغات، پھول پھل، سیر گاہیں (پارک وغیرہ)
- فوجی چھاونیاں اور ان کے انتظام
- بازاروں کے حال، رائج سکوں وغیرہ کا حال

---

۱. سفر نامہ ناصر خسرو، ص ۱۱۰۔

۲. ایضاً، ص ۱۷۵۔

- ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ، شارع عام وغیرہ کا تفصیلی حال بیان کیا ہے
- جنگلی حیوانات اور عجایبات
- معدنیات
- حوادث عالم، زلزلے، طلسمات وغیرہ
- سمندر، دریا، نہریں، چشمہ، چاہات، بندرگاہیں
- کسٹم، ڈیوٹی، چنگی وغیرہ
- مردم شماری، ملکی رسم ورواج، اقوام کے خصایص
- جشن، عیدین، قومی میلے وغیرہ
- ادویہ، عقاقیر (جڑی بوٹیاں)
- ہر قسم کے ظروف وغیرہ
- ملکوں کی دولت مندی اور افلاسی کا حال

یہ وہ عناوین ہیں جن پر اس سفر نامہ میں مخصوص روشنی ڈالی گئی ہے۔

سفر نامۂ ناصر خسرو کی اشاعت کے لئے موسو شیفر پروفیسر السنہ مشرقیہ پیرس یونیورسٹی (فرانس) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے ہندوستان (لوہارو کے نواب صاحب کے کتابخانہ سے) سفر نامہ کا قلمی نسخہ بذریعہ انگریز سرکار منگوا کر فارسی متن کو فرینچ زبان میں ۱۸۸۱ء مطابق ۱۲۹۹ ھ میں شایع کیا۔ اس ترجمہ کے شایع ہونے کے بعد خواجہ الطاف حسین حالی نے اس فارسی متن کو ناصر خسرو کی سوانح حیات کے ساتھ مطبع اخبار خیر خواہِ ہند، دہلی سے ۱۸۸۲ء مطابق ۱۳۰۰ ھ میں شایع کیا۔ اس متن کے ساتھ مولانا حالی نے ایک پُر مغز مقدمہ بھی لکھا ہے جو اس سفر نامہ کی افادیت و اہمیت کو قارئین پر واضح کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نسخہ ممبئ (بمبئ) سے شایع ہوا، چوتھا نسخہ برلن (جرمن) کی شرکت کاویانی (انجمن اشاعت کتب قدیمہ ایران) نے ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں شایع کیا۔

سفر نامہ کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (کولکاتہ) میں بھی محفوظ ہے۔ جس کا استعمال برلن والے ایڈیشن میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد یہ سفر نامہ ایران و افغانستان سے متعدد بار تصحیح ہو کر شایع ہوا۔ جن میں دکتر محمد دبیر سیاقی، عبدالکریم الخوی، دکتر نادر وزین پور وغیرہ کے تصحیح شدہ متن قابل ذکر ہیں۔

سفرنامه حکیم ناصر خسرو

چنین گوید ابومعین حمیدالدین ناصر خسرو القبادیانی المروزی، تاب الله عنه، که: من مردی دبیر پیشه بودم و از جمله متصرفان در اموال و اعمال سلطانی و به کارهای دیوانی مشغول بودم و مدتی در آن شغل مباشرت نموده در میان اقران شهرتی یافته بودم.

در ربیع‌الآخر سنه سبع و ثلاثین و اربعمایة[۱] که امیر خراسان ابو سلیمان جغری بیگ داود بن مکائیل بن سلجوق بود، از مرو برفتم به شغل دیوانی و به پنج دیه مروالُّرود فرود آمدم که در آن روز قران راس و مشتری بود. گویند که هر حاجت که در آن روز خواهند، باری تعالی و تقدس روا کند. به گوشه‌ای رفتم و دو رکعت نماز بکردم و حاجت خواستم تا خدای تعالی و تبارک مرا توانگری دهد.

چون به نزدیک یاران و اصحاب آمدم یکی از ایشان شعری پارسی می‌خواند. مرا شعری نیک در خاطر آمد که از وی در خواهم تا روایت کند. بر کاغذی نوشتم تا به وی دهم که این شعر بر خوان. هنوز بدو نداده بودم که او همان شعر بعینه آغاز کرد. آن حال به فال نیک گرفتم

---

[۱] سال- ۴۳۷

و با خود گفتم خدای، تبارک و تعالی حاجت مرا روا کرد.

پس از آنجا به جوزجانان شدم و قرب یک ماه ببودم و شراب پیوسته خوردمی. پیغمبر، صلی الله علیه و آله وسلم، می‌فرماید که "قولوا الحق ولو علی انفسکم"[1].

شبی در خواب دیدم که یکی مرا گفت: چند خواهی خوردن از این شراب که خرد از مردم زائل کند، اگر بهوش باشی بهتر. من جواب گفتم که: حکما جز این چیزی نتوانستند ساخت که اندوه دنیا کم کند. جواب داد که بیخودی و بی‌هوشی راحتی نباشد. حکیم نتوان گفت کسی را که مردم را به بی‌هوشی رهنمون باشد، بلکه چیزی باید طلبید که خرد و هوش را بیفزاید. گفتم که: من این را از کجا آرم؟ گفت: جوینده یابنده باشد و پس سوی قبله اشارت کرد و دیگر سخن نگفت.

چون از خواب بیدار شدم آن حال تمام بر یادم بود. بر من کار کرد و با خود گفتم که: از خواب دوشین بیدار شدم، باید که از خواب چهل ساله نیز بیدار گردم. اندیشیدم که تا همه افعال و اعمال خود بدل نکنم فرح نیابم. روز پنجشنبه ششم جمادی الآخر سنه سبع و ثلاثین و اربعمایة، نیمهٔ دی ماه پارسیان، سال بر چهار صد و ده یزدجردی، سر و تن بشستم و به مسجد جامع شدم و نماز کردم و یاری خواستم از باری تبارک و تعالی به گزاردن آنچه بر من واجب

---

۱. حق کہو بھلے ہی وہ تمہارے خلاف ہو۔

است و دست باز داشتن از منهیات و ناشایست چنانکه حق سبحانه و تعالی فرموده است.

پس از آنجا به شبورغان رفتم. شب به دیه باریاب بودم و از آنجا به راه سنکلان و طالقان به مروالُّرود شدم. پس به مرو رفتم و از آن شغل که به عهدهٔ من بود معاف خواستم و گفتم که مرا عزم سفر قبله است. پس حسابی که بود جواب گفتم و از دنیایی آنچه بود ترک کردم الا اندک ضروری و بیست و سیوم شعبان به عزم نیشابور بیرون آمدم و از مرو به سرخس شدم. که سی فرسنگ باشد و از آنجا به نیشابور چهل فرسنگ است. روز شنبه یازدهم شوال در نیشابور شدم. چهار شنبه آخر این ماه کسوف بود و حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود، برادر جغری بیگ و مدرسه‌ای فرموده بود به نزدیک بازار سَّراجان و آن را عمارت می‌کردند و او به ولایت گیری به اصفهان رفته بود بار اول و دوم ذی‌القعده از نیشابور بیرون رفتم در صحبت خواجه موفق که خواجهٔ سلطان بود. به راه کوان به قومس رسیدیم و زیارت[۱] شیخ بایزید بسطامی بکردم، قدس الله روحه.

روز آدینه هشتم ذی‌القعده از آنجا به دامغان رفتم غرهٔ ذی‌الحجه سنه سبع و ثلثین و اربعمایة به راه آب‌خوری و چاشت خواران به سمنان آمدم و آنجا مدتی مقام کردم و طلب اهل علم کردم. مردی نشان دادند که او را استاد علی نسایی می‌گفتند. نزدیک وی شدم.

---

[۱] زیارتِ تربت {تصحیح، دبیر سیاقی، ص ٤}

مردی جوان بود. سخن به زبان فارسی همی گفت به زبان اهل دیلم و موی گشوده؛ جمعی پیش وی حاضر. گروهی اقلیدس می‌خواندند و گروهی طب و گروهی حساب. در اثنای سخن می‌گفت که: بر استاد ابو علی سینا رحمة الله علیه چنین خواندم و از وی چنین شنیدم. همانا غرض وی آن بود تا من بدانم که او شاگرد ابو علی سینا است. چون با ایشان در بحث شدم او گفت: من چیزی از سیاق ندانم و هوس دارم که چیزی از حساب بخوانم. عجب داشتم و بیرون آمدم و گفتم چون چیزی نمی‌داند چه به دیگری آموزد.

از بلخ تا به ری سه صد و پنجاه فرسنگ حساب کردم و گویند از ری تا ساوه سی فرسنگ است و از ساوه به همدان سی فرسنگ و از ری به سپاهان پنجاه فرسنگ و به آمل سی فرسنگ و میان ری و آمل کوه دماوند است مانند گنبدی که آن را لواسان گویند و گویند بر سر آن چاهی است که نوشادر از آنجا حاصل می‌شود و گویند که کبریت نیز. مردم پوست گاو ببرند و پُر نوشادر کنند و از سر کوه بغلطانند که به راه نتوان فرود آوردن.

پنجم محرّم سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة دهم مرداد ماه سنهٔ خمس عشر و اربعمایة از تاریخ فرس، به جانب قزوین روانه شدم و به دیه قوهه رسیدم. قحط بود و آنجا یک من نان جو به دو درهم می‌دادند. از آنجا برفتم. نهم محرم به قزوین رسیدم. باغستان بسیار داشت بی‌دیوار و خار و هیچ چیز که مانع شود در رفتن راه نبود و قزوین را شهری نیکو دیدم، با روی حصین و کنگره بر آن نهاده و

بازارها خوب، الا آنکه آب در وی اندک بود در کاریز به زیر زمین و رئیس آن شهر مردی علوی بود و از همه صنّاع‌ها که در آن شهر بود کفش‌گر بیشتر بود.

دوازدهم محرم سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة از قزوین برفتم به راه بیل و قبان که روستاق قزوین است و از آنجا به دیهی که خرزویل خوانند. من و برادرم و غلامکی هندو که با ما بود، زادی اندک داشتیم و برادرم به دیه در رفت تا چیزی از بقال بخرد. یکی گفت که: چه می‌خواهی؟ بقال منم. گفتم: هرچه باشد. ما را شاید که غریبیم و بر گذر. گفت: هیچ چیز ندارم. بعد از آن هر کجا کسی از این نوع سخن گفتی گفتمی بقال خرزویل است.

چون از آنجا برفتم نشیبی قوی بود. چون سه فرسنگ برفتم دیهی از حساب طارم بود. برزالخیر می‌گفتند. گرمسیر و درختان بسیار از انار و انجیر بود و بیشتر خودروی بود و از آنجا برفتم رودی آب بود که آن را شاه رود می‌گفتند. بر کنار رود دیهی بود که خندان می‌گفتند و باج می‌ستاندند از جهت امیر امیران و او از ملوک دیلمیان بود و چون آن رود از این دیه بگذرد به رودی دیگر پیوندد که آن را سپید رود گویند و چون هر دو رود به هم پیوندند به دره‌ای فرود رود که سوی مشرق است از کوه گیلان و آن آب به گیلان می‌گذرد و به دریای آبسکون می‌رود و گویند که هزار و چهار صد رودخانه در دریای آبسکون می‌ریزد و گفتند یک هزار و دویست فرسنگ دور اوست و درمیان دریا جزایر است و مردم بسیار و من این حکایت

بسیار از مردم شنیدم.

اکنون با سر حکایت و کار خود شوم. از خندان تا شمیران سه فرسنگ بیابانکی است همه سنگلاخ و آن قصبهٔ ولایت طارم است و به کنار شهر قلعه‌ای بلند، بنیادش بر سنگ خاره نهاده است. سه دیوار در گرد او کشیده و کاریزی به میان قلعه فرو بریده تا کنار رودخانه که از آنجا آب برآورند و به قلعه برند و هزار مرد از مهترزادگان ولایت در آن قلعه هستند تا کسی بیراهی و سرکشی نتواند کرد و گفتند آن امیر را قلعه‌های بسیار در ولایت دیلم باشد و عدل و ایمنی تمام باشد، چنانکه، در ولایت او کسی نتواند که از کسی چیزی ستاند و مردمان که در ولایت وی به مسجد آدینه روند، همه کفش‌ها را بیرون بگذارند و هیچکس کفش آن کسان را نبرد و این امیر نام خود را بر کاغذ چنین نویسد که: "مرزبان الّدیلم، جیل جیلان ابو صالح مولی امیرالمؤمنین" و نامش جستان ابراهیم است.

در شمیران مردی نیک دیدم. از دربند بود. نامش ابوالفضل خلیفهٔ بن علی الفیلسوف. مردی اهل بود و با ما کرامت‌ها کرد و کرم‌ها نمود و با هم بحث‌ها کردیم و دوستی افتاد میان ما. مرا گفت: چه عزم داری؟ گفتم: سفر قبله را نیت کرده‌ام. گفت: حاجت من آن است که به وقت مراجعت گذر بر اینجا کنی تا ترا باز بینم.

بیست و ششم محرم از شمیران برفتم. چهاردهم صفر را به شهر سراب رسیدم و شانزدهم صفر از شهر سراب برفتم و از سعیدآباد

گذشتم. بیستم صفر سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة[1] به شهر تبریز رسیدم و آن پنجم شهریور ماه قدیم بود و آن شهر قصبهٔ آذربایجان است. شهری آبادان. طول و عرضش به گام پیمودم هر یک هزار و چهار صد بود و پادشاه ولایت آذربایجان را چنین ذکر می‌کردند در خطبه: "الامیرالاجل، سیف‌الدوله و شرف‌الملة ابومنصور وهسودان بن محمد، مولی امیرالمؤمنین".

مرا حکایت کردند که بدین شهر زلزله افتاد، شب پنجشنبه هفدهم ربیع الاول سنه اربع و ثلاثین و اربعمایة[2] و در ایام مسترقه بود. پس از نماز خفتن. بعضی از شهرها خراب شده بود و بعضی دیگر را آسیبی نرسیده بود و گفتند چهل هزار آدمی هلاک شده بودند و در تبریز قطران نام شاعری را دیدم. شعری نیک می‌گفت. اما زبان فارسی نیکو نمی‌دانست. پیش من آمد، دیوان منجیک و دیوان دقیقی بیاورد و پیش من بخواند و هرمعنی که او را مشکل بود از من پرسید، با او بگفتم و شرح آن بنوشت و اشعار خود بر من خواند.

چهاردهم ربیع‌الاول از تبریز روانه شدیم به راه مرند و با لشکری، از آن امیر و هسودان، تا خوی بشدیم و از آنجا با رسولی برفتم تا برکری.و از خوی تا برکری سی فرسنگ است و در روز دوازدهم جمادی‌الاول آنجا رسیدیم و از آنجا به وان و وسطان

---

[1] سال ۴۳۸

[2] سال ۴۳۴

رسیدیم. در بازار آنجا گوشت خوک. همچنانکه گوشت گوسفند. می‌فروختند و زنان و مردان ایشان بر دکان‌ها نشسته شراب می‌خوردند بی‌تحاشی.

و از آنجا به شهر اخلاط رسیدم، هجدهم جمادی‌الاول و این شهر سرحد مسلمانان و ارمنیان است و از برکری تا اینجا نوزده فرسنگ است و آنجا امیری بود او را نصرالدوله گفتندی. عمرش زیادت از صد سال بود. پسران بسیار داشت. هر یکی را ولایتی داده بود و در این شهر اخلاط، به سه زبان سخن گویند: تازی، پارسی و ارمنی و ظن من آن بود که اخلاط، بدین سبب، نام آن شهر نهاده اند و معامله آنجا به پول باشد و رطل ایشان سیصد درم باشد.

بیستم جمادی‌الاولی از آنجا برفتم، به رباطی رسیدم، برف و سرمایی عظیم بود و در صحرایی در پیش شهر، مقداری راه، چوبی به زمین فرو برده بودند تا مردم روز برف و دمه بر هنجار آن چوب می‌روند. از آنجا به شهر بطلیس رسیدم. به درّه‌ای در نهاده بود. آنجا عسل خریدیم. صد من به یک دینار بر آمده بود به آن حساب که به ما بفروختند و گفتند در این شهر کس باشد که او را در یک سال سیصد، چهار صد خیک عسل حاصل شود و از آنجا برفتیم. قلعه‌ای دیدیم که آن را قِف اُنظُر می‌گفتند یعنی بایست بنگر. از آنجا بگذشتیم. به جایی رسیدیم که آنجا مسجدی بود. می‌گفتند که اویس قرنی قدس الله روحه، ساخته است و در آن حدود مردم را دیدم که در کوه می‌گردیدند و چوبی چون درخت سرو می‌بریدند. پرسیدم که: از

این چه می‌کنید؟ گفتند: این چوب را یک سر در آتش می‌کنیم و از دیگر سر آن قطران بیرون می‌آید. همه در چاه میکنیم و از آن چاه در ظروف می‌کنیم و به اطراف می‌بریم و این ولایت‌ها که بعد از اخلاط ذکر کرده شد و اینجا مختصر کردیم از حساب میافارقین باشد.

از آنجا به شهر ارزن شدیم. شهری آبادان و نیکو بود، با آب روان و بساتین و اشجار و بازارهای نیک و در آنجا در آذر ماه پارسیان دویست من انگور به یک دینار می‌فروختند که آن را «رزار مانوش» می‌گفتند. از آنجا به میافارقین رسیدیم.

از شهر اخلاط تا میافارقین بیست و هشت فرسنگ بود و از بلخ تا میافارقین. از این راه که ما آمدیم پانصد و پنجاه و دو فرسنگ بود و روز آدینه بیست و ششم جمادی‌الاولی سنهٔ ثمان و ثلاثین و اربعمایة بود و در این وقت برگ درخت‌ها هنوز سبز بود. باره‌ای عظیم بود از سنگ سفید بر شده. هر سنگی مقدار پانصد من و به هر پنجاه گزی برجی عظیم ساخته هم از این سنگ سفید که گفته شد و سرباره همه کنگره‌ها بر نهاده چنانکه گویی امروز استاد دست از وی کشیده و این شهر را یک در است از سوی مغرب و در گاهی عظیم بر کشیده است به طاقی سنگین و دری آهنین بی‌چوب بر آنجا ترکیب کرده و مسجد آدینه‌ای دارد که اگر صفت آن کرده شود به تطویل انجامد، هر چند صاحب کتاب شرحی هرچه تمامتر نوشته است و گفته که: بالجمله متوضای آن را چهل حجره در پیش است و دو جوی آب بزرگ می‌گردد در همه خانه ها، یکی ظاهر، استعمال را

و دیگر تحت‌الارض پنهان که ثقل می‌برد و چاه‌ها پاک می‌گرداند.

و بیرون از این شهرستان در ربض، کاروان‌سراها و بازارها است و گرمابه‌ها و مسجد جامع دیگری است که روز آدینه آنجا هم نماز کنند و از سوی شمال سوری دیگر است که آن را محدثه گویند. هم شهری است با بازار و مسجد جامع و حمامات، همه با ترتیبی خوش و سلطان ولایت را خطبه چنین کنند: "الامیر الاعظم عزالاسلام، سعدالدین، نصرالدولة و شرف‌الملة، ابو نصر احمد" مردی صد ساله و گفتند که هست و رطل آنجا چهار صد و هشتاد درم سنگ باشد و این امیر شهری ساخته است بر چهار فرسنگی میافارقین و آن را نصریّه نام کرده اند و از آمد تا میافارقین نه فرسنگ است.

ششم روز از دی ماه قدیم به شهر آمد رسیدیم. بنیاد شهر بر سنگی یک لخت نهاده و طویل شهر به مساحت دو هزار گام باشد و عرض هم چندین و گرد او سوری کشیده است از سنگ سیاه که خشت‌ها بریده است از صد منی تا یک هزار منی و بیشتر این سنگ‌ها چنان به یکدیگر پیوسته است که هیچ گِل و گچ درمیان آن نیست. بالای دیوار بیست ارش ارتفاع دارد و پنهای دیوار ده ارش. به هر صد گز برجی ساخته که نیمهٔ دائریه آن هشتاد گز باشد و کنگرهٔ او هم از این سنگ و از اندرون شهر در بسیار جای نردبان‌های سنگین بسته است که بر سر بارو تواند شد و بر سر هر برجی جنگ گاهی ساخته و چهار دروازه بر این شهرستان است همه آهن، بی‌چوب، هر یکی روی به جهتی از جهات عالم. شرقی را

باب‌الدجله گویند، غربی را باب‌الروم، شمالی را باب‌الارمن، جنوبی را باب‌التل و بیرون این سور، سوری دیگر است هم از این سنگ، بالای آن ده گز و همه سرهای دیوار کنگره و از اندرون کنگره ممری ساخته، چنانکه با سلاح تمام مرد بگذرد و بایستد و جنگ کند بآسانی و این سور بیرون را نیز دروازه‌های آهنین بر نشانده‌اند، مخالف دروازه‌های اندرونی، چنانکه چون از دروازه‌های سور اول در روند مبلغی در فصیل بباید رفت تا به دروازهٔ سور دوم رسند و فراخی فصیل پانزده گز باشد.

و اندر میان شهر چشمه‌ای است که از سنگ خاره بیرون می‌آید. مقدار پنج آسیا گرد. آبی به غایت خوش و هیچکس نداند از کجا می‌آید و در آن شهر اشجار و بساتین است که از آن آب ساخته‌اند و امیر و حاکم آن شهر پسر آن نصرالدوله است که ذکر رفت و من فراوان شهرها و قلعه‌ها دیدم در اطراف عالم، در بلاد عرب و عجم و هند و ترک، مثل شهر آمد هیچ جا ندیدم که بر روی زمین چنان باشد و نه نیز از کسی شنیدم که گفت چنان جای دیگر دیده‌ام و مسجد جامع هم از این سنگ سیاه است، چنانکه از آن راست‌تر و محکمتر نتواند بود و در میان جامع دویست و اند ستون سنگین برداشته است، هر ستونی یک پاره سنگ و بر ستون‌ها طاق‌ها زده است همه از سنگ و بر سر طاق‌ها باز ستون‌ها زده است کوتاه‌تر از آن، وصفی طاق زده برسر آن طاق‌های برزگ و همه بامهای این مسجد به خرپشته پوشیده، همه نجارت و نقارت و منقوش و مدهون

کرده و اندر ساحت مسجد سنگی بزرگ نهاده است و حوضی سنگین مُدور، عظیم برزگ، بر سر آن سنگ نهاده و ارتفاعش قامت مردی و دور دایرهٔ آن دو گز و نایژه‌ای برنجین از میان حوضی بر آمده که آبی صافی به فواره از آن بیرون می‌آید، چنانکه مدخل و مخرج آن آب پیدا نیست و متوضَّای عظیم بزرگ و چنان نیکو ساخته که به از آن نباشد، الا که سنگ آمد که عمارت کرده‌اند همه سیاه است و از آن میافارقین سپید و نزدیک مسجد کلیسیائی است عظیم به تکلُّف، هم از سنگ ساخته و زمین کلیسیا مرخم کرده به نقش‌ها و در این کلیسیا بر طارم آن که جای عبادت ترسایان است، دری آهنین مشبک دیدم که هیچ جای، مثل آن دری ندیده بودم و از شهر آمد تا حران دو راه است: یکی را هیچ آبادانی نیست و آن چهل فرسنگ است و بر راهی دیگر آبادانی و دیهای بسیار است. بیشتر اهل آن نصاری باشد و آن شصت فرسنگ باشد. ما با کاروان به راه آبادانی شدیم. صحرایی به غایت هموار بود الا آنکه چندان سنگ بود که ستور البته هیچ جا گام بی‌سنگ ننهادی.

روز آدینه بیست و پنجم جمادی‌الآخره سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة به حَّران رسیدیم، دوم آذر ماه قدیم. هوای آنجا در آن وقت چنان بود که هوای خراسان در نوروز.

از آنجا برفتیم. به شهری رسیدیم که قرول نام آن بود. جوانمردی ما را به خانهٔ خود مهمان کرد. چون در خانهٔ وی درآمدیم، عربی بدوی درآمد. نزدیک من آمد. شصت ساله بود و گفت: قرآن به من

آموز. «قل اعوز برب الناس» او را تلقین می‌کردم و او با من می‌خواند. چون من گفتم: «من الجنة والناس»، گفت: «أرایت الناس» نیز بگویم؟ من گفتم: که آن سوره بیش از این نیست. پس گفت: آن سورهٔ نقالة الحطب کدام است؟ و نمی‌دانست که اندر سورهٔ تبَّت، حمالة الحطب گفته است نه نقالة الحطب و آن شب چندانکه با وی باز گفتم، سورهٔ «قل اعوذ برب» یاد نتوانست گرفتن، مردی عرب شصت ساله!

شنبه دوم رجب سنهٔ ثمان و ثلاثین و اربعمایة به سروج آمدیم. دوم روز از فرات بگذشتیم و به منبج رسیدیم و آن نخستین شهری است از شهرهای شام، اول بهمن ماه قدیم بود و هوای آنجا عظیم خوش بود. هیچ عمارت از بیرون شهر نبود و از آنجا به شهر حلب رفتیم. از میافارقین تا حلب صد فرسنگ باشد.

حلب را شهر نیکو دیدم. باره‌ای عظیم دارد. ارتفاعش بیست و پنج ارش قیاس کردم و قلعه‌ای عظیم همه بر سنگ نهاده، به قیاس چند بلخ باشد و دیار بکر و مصر و عراق و از این همه بلاد، تجار و بازرگانان، آنجا روند. همه آبادان و بناها برسر هم نهاده و آن شهر باجگاه است میان بلاد شام و روم چهار دروازه دارد: باب‌الیهود، باب‌الله، باب‌الجنان، باب انطاکیه و سنگ بازار آنجا رطل ظاهری چهار صد و هشتاد درم باشد و از آنجا چون سوی جنوب روند بیست فرسنگ، حما باشد و بعد از آن حمص و تا دمشق پنجاه فرسنگ باشد از حلب و از حلب تا انطاکیه دوازده فرسنگ باشد و به شهر طرابلس همین قدر و گویند تا قسطنطنیه دویست فرسنگ باشد.

یازدهم رجب از شهر حلب بیرون شدیم، به سه فرسنگ دیهی بود. جند قنسرین می‌گفتند و دیگر روز چون شش فرسنگ شدیم به شهر سرمین رسیدیم. بارو نداشت. شش فرسنگ دیگر شدیم معرةالنعمان بود. باره‌ای سنگین داشت. شهری آبادان و بر در شهر اسطوانه‌ای سنگین دیدم، چیزی در آن نوشته بود به خطی دیگر از تازی. از یکی پرسیدم که این چه چیز است؟ گفت: طلسم کژدمی است که هرگز عقرب در این شهر نباشد و نیاید و اگر از بیرون آورند و رها کنند بگریزد و در شهر نیاید. بالای آن ستون ده ارش قیاس کردم و بازارهای او بسیار معمور دیدم و مسجد آدینهٔ آن بر بلندی نهاده است در میان شهر که از هر جانب که خواهند به مسجد در شوند. سیزده درجه بر بالا باید شد و کشاورزی ایشان همه گندم است و بسیار است و درخت انجیر و زیتون و پسته و بادام و انگور فراوان است و آب شهر از باران و چاه باشد.

در آن مردی بود که ابوالعلاء معرّی می‌گفتند. نابینا بود و رئیس شهر او بود. نعمتی بسیر داشت و بندگان و کارگران فراوان و خود همه شهر او را چون بندگان بودند و خود طریق زهد پیش گرفته بود. گلیمی پوشیده و در خانه نشسته و نیم من نان جوین را تبه کرده که جز آن هیچ نخورد و من این معنی شنیدم که در سرای باز نهاده است و نواب و ملازمان او کار شهر می‌سازند، مگر به کلیات که رجوعی به او کنند و وی نعمت خویش از هیچ کس دریغ ندارد و خود صائم‌الدهر قائم‌الّلیل باشد و به هیچ شغل دنیا مشغول نشود و

این مرد در شعر و ادب به درجه‌ای است که افاضل شام و مغرب و عراق مقرند که در این عصر کسی به پایهٔ او نبوده است و نیست و کتابی ساخته، آن را «الفصول والغایات» نام نهاده و سخن‌ها آورده است مرموز و مثل‌ها به الفاظ فصیح و عجیب که مردم بر آن واقف نمی‌شوند مگر بر بعضی اندک و آن کسی نیز که بر وی خواند، چنانکه او را تهمت کردند که تو این کتاب را به معارضهٔ قرآن کرده‌ای! و پیوسته زیادت از دویست کس از اطراف آمده باشند و پیش او ادب و شعر خوانند و شنیدم که او را زیادت از صد هزار بیت شعر باشد. کسی از وی پرسید که: ایزد "تبارک و تعالی" این همه مال و نعمت ترا داده است، چه سبب باشد که مردم را می‌دهی و خویشتن نمی‌خوری؟ جواب داد که: مرا بیش از این نیست که می‌خورم و چون من آنجا رسیدم این مرد هنوز در حیات بود.

پانزدهم رجب سنه ثمان و ثلاثین و اربعمایة از آنجا به کویمات شدیم و از آنجا به شهر حما شدیم. شهری خوش، آبادان، بر لب آب عاصی و این آب را از آن سبب عاصی گویند که به جانب روم می‌رود. یعنی چون از بلاد اسلام به بلاد کفر می‌رود عاصی است و بر این آب دولاب‌های بسیار ساخته اند.

پس از آنجا راه دو می‌شود: یکی به جانب ساحل و آن غربی شام است و یکی جنوبی به دمشق می‌رود. ما به راه ساحل رفتیم. در کوه چشمه‌ای دیدم که گفتند: هر سال چون نیمهٔ شعبان بگذرد، آب جاری شود از آنجا و سه روز روان باشد. بعد از سه روز یک قطره

نیاید تا سال دیگر. مردم بسیار آنجا به زیارت روند و تقرب جویند به خداوند، سبحانه و تعالی و عمارت و حوض‌ها ساخته‌اند آنجا. چون از آنجا بگذشتیم به صحرایی رسیدیم که همه نرگس بود شگفته، چنانکه تمامت آن صحرا سپید می‌نمود از بسیاری نرگس‌ها.

از آنجا برفتیم. به شهری رسیدیم که آن را عرقه می‌گفتند. چون از عرقه دو فرسنگ بگذشتیم، به لب دریا رسیدیم و بر ساحل دریا، روی از سوی جنوب، چون پنج فرسنگ برفتیم به شهر طرابلس رسیدیم و از حلب تا طرابلس چهل فرسنگ بود بدین راه که ما رفتیم. روز شنبه پنجم شعبان آنجا رسیدیم. حوالی شهر، همه کشاورزی و بساتین و اشجار بود. و نیشکر بسیار بود و درختان نارنج و ترنج و موز و لیمو و خرما و شیرهٔ نیشکر در آن وقت می‌گرفتند.

شهر طرابلس را چنان ساخته‌اند که سه جانب او با آب دریاست که چون آب دریا موج زند مبلغی بر باروی شهر بر رود، چنانکه یک جانب که با خشک دارد کنده‌ای عظیم کرده‌اند و در آهنین محکم بر آن نهاده‌اند. جانب شرقی بارو از سنگ تراشیده است و کنگره‌های و مقاتلات همچنین. وعّراده‌ها بر سر دیوار نهاده. خوف ایشان از طرف روم باشد که به کشتی‌ها قصد آنجا کنند و مساحت شهر هزار ارش است در هزار ارش. تیمه چهار و پنج طبقه و شش نیز هم هست و کوچه‌ها و بازارها نیکو و پاکیزه که گویی هر یکی قصری است آراسته و هر طعام و میوه و ماکول که در عجم دیده بودم، همه آنجا

موجود بود بل به صد درجه بیشتر.

و درمیان شهر مسجدی آدینه، عظیم پاکیزه و نیکو آراسته و حصین. در ساحت مسجد قبه‌ای بزرگ ساخته و در زیر قبه حوضی است از رخام، و در میانش فوارهٔ برنجین و در بازار مشرعه‌ای ساخته است که به پنج نایژه، آب بسیار بیرون می‌آید که مردم بر می‌گیرند و فاضل بر زمین می‌گذرد و به دریا در می‌رود و گفتند که بیست هزار مرد در این شهر است و سواد و روستاق‌های بسیار دارد و آنجا کاغذ نیکو سازند مثل کاغذ سمرقندی بل بهتر و این شهر تعلق به سلطان مصر داشت و گفتند سبب آنکه وقتی لشکری از کافر روم آمده بود و این مسلمانان به آن لشکر جنگ کردند و آن لشکر را قهر کردند، سلطان مصر خراج از آن شهر برداشت و همیشه لشکری از آن سلطان آنجا نشسته باشد و سالاری بر سر آن لشکر تا شهر را از دشمن نگاه دارند و باجگاهی است آنجا که کشتی‌ها که از اطراف روم و فرنگ و اندلس و مغرب بیاید، عشر به سلطان دهند و ارزاق لشکر از آن باشد و سلطان را آنجا کشتی‌ها باشد که به روم و سقلیه و مغرب روند و تجارت کنند و مردم این شهر، همه شیعه باشند و شیعه به هر بلاد مساجد نیکو ساخته‌اند. در آنجا خانه‌ها ساخته بر مثال رباط‌ها، اما کسی در آنجا مقام نمی‌کند و آن را مشهد خوانند و از بیرون شهر طرابلس هیچ خانه نیست مگر مشهدی دو، سه، چنانکه ذکر رفت.

پس، از این شهر برفتم همچنان به طرف دریا، روی بسوی جنوب. به یک فرسنگی حصاری دیدم که آن را قلمون می‌گفتند.

چشمه‌ای آب در اندرون آن بود. از آنجا برفتم به شهر طرابرزن و از طرابلس تا آنجا پنج فرسنگ بود و از آنجا به شهر جبیل رسیدیم. و آن شهری است مثلث، چنانکه یک گوشهٔ آن به دریا است و گرد وی دیواری کشیده بسیار بلند و حصین و همه گردِ شهر درختان خرما و دیگر درخت‌های گرمسیری است. کودکی را دیدم گلی سرخ و یکی سپید، تازه، در دست داشت و آن روز پنجم اسفند ارمذ ماه قدیم بود، سال بر چهار صد و پانزده از تاریخ عجم.

و از آنجا به شهر بیروت رسیدیم. طاقی سنگین دیدم چنانکه راه به میان آن طاق بیرون می‌رفت. بالای آن طاق پنجاه گز تقدیر کردم و از جوانب او تخته سنگ‌های سفید برآورده چنانکه هر سنگی از آن زیادت از هزار من بود و این بنا را از خشت به مقدار بیست گز بر آورده‌اند و برسر آن اسطوانه‌های رخام برپا کرده، هر یکی هشت گز و سطبری، چنانکه به جهد در آغوش دو مرد گنجد و بر سر این ستون‌ها طاق‌ها زده است به دو جانب، همه از سنگ مهندم، چنانکه هیچ گچ و گِل در این میان نیست و بعد از آن طاقی عظیم بر بالای آن طاق‌ها، به میانه راست ساخته‌اند، به بالای پنجاه ارش و هر تخته سنگی را که در آن طاق بر نهاده است هر یکی را هشت ارش قیاس کردم در طول و در عرض چهار ارش که هریک از آن تخمیناً هفت هزار من باشد و این همه سنگ‌ها را کنده کاری و نقاشی خوب کرده چنانکه در چوب بدان نیکویی کم کنند و جز این طاق، بنای دیگر نمانده است بدان حوالی، پرسیدم که این چه جای است؟ گفتند که

شنیده‌ایم که این در باغ فرعون بوده است و بس قدیم است و همه صحرای آن ناحیت ستون‌های رخام است و سر ستون‌ها و تن ستون‌ها همه رخام منقوش مدور و مربع و مسدس و مثمن و سنگ عظیم صلب که آهن بر آن کار نمی‌کند و بدان حوالی هیچ جای کوهی نه، که گمان افتد که از آنجا بریده‌اند و سنگی دیگر همچو معجونی می‌نمود، آنچنانکه سنگ‌های دیگر مسخر آهن بود.

واندر نواحی شام پانصد هزار ستون پا سر ستون و تن، بیش افتاده است که هیچ آفریده نداند که آن چه بوده است یا از کجا آورده‌اند.

پس از آن به شهر صیدا رسیدیم هم بر لب دریا. نیشکر بسیار کشته بودند و باره‌ای سنگین محکم دارد و سه دروازه و مسجد آدینهٔ خوب با روحی تمام، همه مسجد حصیرهای منقش انداخته و بازاری نیکو آراسته، چنانکه چون آن بدیدم گمان بردم که شهر را بیاراسته‌اند قدوم سلطان را، یا بشارتی رسیده است. چون پرسیدم گفتند: رسم این شهر همیشه چنین باشد و باغستان و اشجار آن چنان بود که گویی پادشاهی ساخته است به هوس و کوشکی در آن بر آورده و بیشتر درخت‌ها پر بار بود.

چون از آنجا پنج فرسنگ بشدیم به شهر صور رسیدیم. شهری بود در کنار دریا. شیخی بوده بود و آنجا آن شهر ساخته بود و چنان بود که بارهٔ شهرستان صد گز بیش بر زمین خشک نبود. باقی اندر آب دریا بود و باره‌ای سنگین تراشیده و درزهای آن را به قیر گرفته تا آب در نیاید و مساحت شهر هزار در هزار قیاس کردم و تیمه پنج شش طبقه

بر سر یک دیگر و فواره بسیار ساخته و بازارهای نیکو و نعمت فراوان و این شهر صور معروف است به مال و توانگری درمیان شهرهای ساحل شام و مردمانش بیشتر شیعه‌اند و قاضیی بود آنجا مردی سنی مذهب، پسر ابو عقیل می‌گفتند مردی نیک و توانگر و بر در شهر مشهدی راست کرده‌اند، و آنجا بسیار فرش و طرح و قنادیل و چراغ‌دان‌های زرین و نقر گین نهاده. و شهر بر بلندی است و آب شهر از کوه می‌آید و بر در شهر طاق‌های سنگین ساخته‌اند، و آب بر پشت آن طاق‌ها به شهر اندر آورده و در آن کوه دره‌ای است مقابل شهر که چون روی به مشرق بروند به هجده فرسنگ به شهر دمشق رسند.

مرزبان نامہ

مرزبان نامہ کا شمار فارسی ادب کے بہترین شاہکاروں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب داستانوں، قصّوں، حکایتوں اور افسانوں کی کتاب ہے جس میں چھوٹے چھوٹے قصّے کہانیاں ہیں جو کلیلہ ودمنہ کی طرح حیوانوں کی زبانی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ سبھی داستانیں نصیحت آمیز ہیں اور اخلاقی درس دیتی ہیں۔ مرزبان نامہ کے مؤلف کے بارے میں ہمارے پاس زیادہ اطلاعات نہیں ہیں بجز اس کے کہ اس کتاب کو طبرستان کے ایک حکمران مرزبان بن رستم بن شروین جو کہ باوندیان یا آل باوند کے خاندان سے تھا، چوتھی صدی ہجری میں طبرستانی زبان میں تصنیف کیا۔ اس کا دیوان بھی نیکی نامہ کے نام سے طبری زبان میں موجود ہے۔ رستم بن شہریار کا والد شمس المعالی قابوس بن وشمگیر (۳۶۶۔۴۰۳ھ) کے معاصرین میں تھا اور کوہستان فریم کا حاکم تھا۔ اس کا دادا شہریار بن شروین سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر تھا وہ ۳۳۷ ہجری میں تخت پر بیٹھا اور اس نے مدّت دراز تک حکمرانی کی۔ یہ داستان مشہور ہے کہ جب فردوسی محمود کے دربار سے فرار ہوا تو اس کے پاس ہی گیا تھا اور شاہنامہ کو اس کے نام معنون کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوایل میں مرزبان نامہ کے طبری زبان سے فارسی نثر میں دو مرتبہ ترجمہ ہوئے، پہلا ترجمہ محمد بن غازی ملطیوی نے کیا اور دوسری مرتبہ سعدالدین وراوینی نے کیا۔ محمد بن غازی الملطیوی شہر ملطیہ کا ساکن تھا، یہ شہر ایشیائے کوچک (روم) میں حلب کے شمال اور سیواس کے جنوب میں واقع ہے سلجوقی دور

حکومت میں علماء فضلاء کا مرکز تھا۔ محمد بن غازی الملطیہ آغاز میں ابوالفتح رکن الدین سلیمان شاہ بن خلج ارسلان کے دربار میں دبیری (منشی) کا کام کیا اس کے بعد ترقی کرکے وزارت کے منصب تک پہنچا۔ محمد بن غازی سلیمان شاہ کی ملازمت میں داخل ہونے سے قبل ہی مرزبان نامہ کے ترجمہ کے کام کا آغاز کر چکا تھا، لیکن بعد میں شاہ کی حوصلہ افزائی کے بعد ہی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اس ترجمہ کا نام روضۃالعقول رکھا۔ اس کا سال تألیف ۵۹۵ ہجری ہے۔ روضۃالعقول میں ابواب کی تعداد اور حکایات کی ترتیب مرزبان نامہ سے جدا ہے۔ اس میں گیارہ باب ہیں۔ جب کی مرزبان نامہ میں نو باب ہی ہیں۔ روضۃالعقول کی نثر میں عربی تمثیلات اور اشعار کا با کثرت استعمال کیا گیا ہے۔

روضۃالعقول کی تصنیف کے کچھ عرصہ بعد ہی سعدالدین وراوینی نے دوسرا ترجمہ طبری زبان سے فارسی زبان میں مرزبان نامہ کے عنوان سے کیا۔ سعدالدین وراوینی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کتاب کا پہلے بھی ایک بار ترجمہ ہو چکا ہے۔ سعدالدین کے بارے میں بھی بہت مختصر اطلاعات فراہم ہو سکی ہیں۔ وراوین آذربایجان کی پہاڑیوں میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ سعدالدین کا شمار عراق کے علماء فضلاء میں ہوتا تھا۔ مرزبان نامہ کے مقدمہ اور خاتمہ سے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ خواجہ ابوالقاسم رہیب الدین ہارون بن علی کے دربار میں ملازم تھا۔ خواجہ ابوالقاسم آذربایجان میں اتابک بن ازبک بن محمد بن ایلدگز جو آذربایجان کا سال ۶۲۲ سے ۶۶۰ تک حاکم تھا اس کا وزیر تھا۔ سعدالدین نے مرزبان نامہ اسی وزیر کے نام معنون کیا۔ سعدالدین کا مرزبان نامہ ایک مقدمہ اور نو ابواب پر مشتمل ہے، اس کتاب کی زبان مسجع ہے اور اس کی نثر میں عربی امثال اور شعر کی آمیزش ہے۔ مرزبان نامہ کی داستانوں کا موضوع انسان کی اخلاقی تربیت ہے۔ کلیلہ و دمنہ فارسی ادب میں ایک مشہور کتاب ہے، اور مرزبان نامہ اسی کتاب کی تقلید ہے یقیناً اس کے مؤلف کے پیش نظر یہ کتاب رہی ہوگی۔ وراوینی نے بھی ترجمہ کرتے وقت کلیلہ و

دمنہ سے استفادہ کیا ہے، اور ان دونوں کتابوں کی نثر میں مشابہت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ کتاب کلیلہ و دمنہ فارسی ادب میں ہندوستانی عنصر ہے جو کہ سب سے پہلے سنسکرت زبان سے پہلوی میں ترجمہ ہوئی پھر اس کے بعد عربی میں منتقل ہوئی اور عربی سے کئی بار فارسی زبان کا جامہ پہن چکی ہے۔ اس نایاب تألیف کی طرز پر فارسی میں کئی کتابیں لکھیں گئیں، جن میں مرزبان نامہ، انوار سہیلی وغیرہ خاص ہیں۔ مگر مرزبان نامہ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نثر بہت دلکش ہے اور فارسی زبان و ادب میں اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہے اور انہیں اھمیت کی بنا پر درس میں شامل رہی ہے۔ اس کتاب کے عربی، ترکی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی تراجم ہو چکے ہیں۔

مرزبان‌نامه

حکایت هنبوی با ضحاک

ملک‌زاده گفت شنیدم که در عهد ضحاک که دو مار از هر دو کتف او برآمده بود و هر روز تازه جوانی بگرفتندی و از مغز سرش طعمهٔ آن دو مار ساختندی. زنی بود هنبوی نام، روزی قرعهٔ قضای بد بر پسر و شوهر و برادر او آمد. هر سه را باز داشتند تا آن بیداد معهود برای‌شان برانند. زن به درگاه ضحاک رفت، خاک تظلم بر سر کنان، نوحهٔ دردآمیز درگرفته که رسم هر روز از خانه‌ای مردی بود، امروز بر خانهٔ من سه مرد متوجه چگونه آمد. آواز فریاد او در ایوان ضحاک افتاد. بشنید و از آن حال پرسید. واقعه چنانکه بود آنها کردند. فرمود که او را مخیر کنند تا یکی از این سه گانه که او خواهد معاف بگذارند و بدو باز دهند. هنبوی را به در زندان‌سرای بردند. اول چشمش بر شوهر افتاد. مهر مؤالفت و موافقت در نهاد او بجنبید و شفقت ازدواج در ضمیر او اختلاج کرد. خواست که او را اختیار کند. باز نظرش بر پسر افتاد. نزدیک بود که دست در جگر خویش برد و به جای پسر جگر گوشهٔ خویشتن را در مخلب عقاب آفت اندازد و او را به سلامت بیرون برد. همی ناگاه برادر را دید، در

همان قید اسار گرفتار. سر در پیش افکند؛ خوناب حسرت بر رخسار ریزان با خود اندیشید که هرچند در ورطهٔ حیرت فرومانده‌ام نمی‌دانم که از نور دیده و آرامش دل و آرایش زندگانی کدام اختیار کنم و دل بی‌قرار را بر چه قرار دهم؛ اما چکنم که قطع پیوند برادری دل به هیچ تأویل رخصت نمی‌دهد. مصراع:

بر بی‌بدل چگونه گزیند کسی بدل

زنی جوانم شوهری دیگر توانم کرد و تواند بود که از او فرزندی آید که آتش فراق را لختی به آب وصال او بنشانم و زهر فوات این را به تریاک بقای او مداوات کنم؛ لیکن ممکن نیست که مرا از آن مادر و پدر که گذشتند برادری دیگر آید تا این مهر بر او افگنم.

ناکام و ناچار طمع از شوهر بر گرفت و دست برادر برداشت و از زندان به در آورد.

این حکایت به سمع ضحاک رسید فرمود که فرزند و شوهر را نیز به هنبوی بخشید.

داستان خرّه‌نماه با بهرام گور

ملک‌زاده گفت شنیدم که بهرام گور روزی به شکار بیرون رفت. در صیدگاه ابری بر آمد تیره‌تر از شب انتظار مشتاقان به وصال جمال دوست و ریزان‌تر از دیدهٔ اشک بار عاشقان بر فراق معشوق. آتش برق در پنبهٔ سحاب افتاد دود ضباب بر انگیخت. تند بادی از مهب مهابت الهی بر آمد؛ مشعلهٔ آفتاب فرو مرد. روزن هوا را به نهنبن

ظلام بپوشانید، حجره شش گوشه جهت تاریک شد.

فالشمس طالعة فی حکم غاربة والرأد فی مستثار النقع کالطفل[۱]

حشم پادشاه در آن تاریکی و تیرگی همه از یکدیگر متفرق شدند و او از ضیاع آن نواحی به ضیعه‌ای افتاد. در آنجا دهقانی بود از اغنیای دهاقین خره‌نماه نام؛ بسیار خواسته و مال از ناطق و صامت و مراکب و مواشی «کانه امتلاء و ادیه من ثاغیة الصباح و راغیةالرواح[۲]» متنکر وار به خانهٔ او فرود آمد. بیچاره میزبان ندانست که مهمان کیست؛ لاجرم تقدیم نزلی که لایق نزول پادشاهان باشد نکرد و به خدمتی که شاهان را واجب آید قیام ننمود. بهرام گور اگرچه ظاهر نکرد اما تغییری در باطنش پدیدآمد و خاطر بدان بی‌التفاتی ملتفت گردانید. شبانگاه که شبان از دشت درآمد خره‌نما را خبر داد که امروز گوسفندان از آنچه معتاد بود شیر کمتر دادند خره‌نما دختری دوشیزه داشت با خوی نیکو روی پاکیزه، چنانکه نظافت ظرف از لطافت شراب حکایت کند جمال صورتش از کمال معنی خبر می‌داد. با او گفت که ممکن است که امروز پادشاه ما را نیت با رعیت بد گشتست و حسن نظر از ما منقطع گردانیده که در قطع مادهٔ شیر گوسفندان تأثیر می‌کند. «و اذا هم الوالی بالجور علی

---

۱ بلندی کی پیشانی پر سورج طلوع ہوتا ہے اور طلوع ہوتے وقت بھی نمایاں رہتا ہے جبکہ گرد و غبار کے طوفان میں دن چڑھا سورج بھی غروب کا منظر پیش کرتا ہے۔

۲ گویا کہ صبح کی چمک اور شام کی سرخی سے اس کی وادی لہریز ہے۔

الرعایا ادخل الله النقص فی اموالهم حتی الضروع و الزروع[1]» به صواب آن نزدیک‌تر که از اینجا دور شویم و مقامگاه دیگر طلبیم.

دختر گفت: اگر چنین خواهی کرد ترا الوان شراب و انواع طعام و لذایذ ادام چندان در خانه هست که چون نقل کنند تخفیف را بعضی از آن بجای باید گذاشت. پس اولیتر آنکه در تعهد این مهمان چیزی از آن صرف کنی. دهقان اجابت کرد. فرمود تا خوانچهٔ خوردنی به تکلف بساختند و پیش بهرام گور نهادند و در عقب شرابی که پنداشتی که رنگ آن به گلگونهٔ عارض گل رخان بسته اند و نقلی که گفتی حلاوت آن را به بوسهٔ شکر لبان چاشنی داده‌اند ترتیب کرد و چنانکه رسم است به خدمت بهرام گور آورد. دهقان پیاله‌ای باز خورد و یکی بدو داد. بستد و با داد وستد روزگار بساخت و گفت «لکل کاس حاس» امشب با فراز آمد بخت بسازیم. مصراع:

تاخود بچه زاید این شب آبستن

چون دو سه دور در گذشت تأثیر شارب جلباب حیا از سر مطربهٔ طبیعت در کشید. نزدیک شد که سر خاطر خویش عشاق وار از پرده بیرون افگند.

---

[1] جب حکمراں عوام پر ظلم و زیادتی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے مال و جائداد میں یہاں تک کے فصلوں اور تھنوں میں بھی کمی پیدا کر دیتا ہے۔

مضی بها ما مضی من عقل شاربها وفی الزجاجة باق یطلب الباقی[۱]

در اثناء مناولات و تضاعیف آن حالات بهرام گور گفت دهقان را که اگر کنیزکی شاهد روی آری که به مشاهده‌ای از او قانع باشیم و ساعتی به مؤانست او خود را از وحشت غربت باز رهانیم از لطف تو غریب نباشد. دهقان برخاست و به پردهٔ حرم خویش درآمد. دانست که دختر او به وقایهٔ صیانت و پیرایهٔ خویشتن داری از آن متحلی‌تر است که اگر او را به اقامت این خدمت بنشاند زیانی دارد و چهره عصمت او چشم زده هیچ و صمتی گردد.

پس دختر را فرمود که ترا ساعتی پیش این مهمان می‌باید نشستن و آرزوی او به لقیه‌ای از لقای خود نشاندن. دختر فرمان را منقاد شد و به نزدیک شاه رفت، چنانکه گوی خورشید در ایوان جمشید آمد یا نظر بهرام در ناهید آمد. شاه به تماشای نظری از آن منظر روحانی خود را راضی کرد و به لطایف مشافههٔ او از رنج روزگار بر آسود و به ترنم زیر زبان حال می‌گفت و می‌سرایید:

در دست منی دست نیارم به تو برد
دردا کـه در آب تشنـه می‌باید مرد

شاه را پای دل به گلی فروشد که به بیل دهقان نبود و هم بدان گل چشمهٔ آفتاب می‌اندود و مهره عشق آن زهره عذار پنهان

---

[۱] اس کے ذریعہ اس کے پینے والے کی عقل جتنی رخصت ہونی تھی ہو گئی، حلاں کہ جام میں جو کچھ باقی ہے وہ مزید کا خواہاں ہے۔

می‌باخت. مگر گوشهٔ خاطرش بدان التفات نمود که چون به خانه روم این دختر را در حبالهٔ خود آرم و با پدرش لایق این خدمت، اکرام کنم. بامداد که معجر قیرگون شب به شیر شعاع روز بر اندودند همان شبان از دشت باز آمد و از کثرت شیر گوسفندان حکایتی گفت که شنوندگان را انگشت حیرت در دندان بماند. پدر و دختر گفتند: مگر اختر سعد عنان عاطفت پادشاه سوی ما منعطف کرد و قضیهٔ سوءالعنایهٔ منعکس گردانید و اگر نه شیر گوسفندان که دیروز از مجرای عادت منقطع بود امروز اعادت آن را موجب چه باشد؟ این می‌گفت و از آن بی‌خبر که تقدیر منبع و مغار شیر در خانهٔ او دارد و فردا به کدام شیر بها شکر لب او را به شبستان شاه خواهند برد.

بهرام گور چون به مستقر دولت خود بازرسید فرمود تا به مکافات آن ضیافت منشور آن دیه با چندان اضافت به نام دهقان بنوشتند و دخترش را به اکرام و اجلال در لباس تمکین و جلال تزیین بعد از عقد کاوین پیش شاه آوردند.

داستان گرگ خنیاگر دوست با شبان

ملک‌زاده گفت شنیدم که وقتی گرگی در بیشه‌ای وطن داشت. روزی در حوالی شکار گاهی که حوالتگاه رزق او بود بسیار بگشت و از هر سو کمند طلب می‌انداخت تا باشد که صیدی در کمند افکند. میسر نگشت و آن روز شبانی به نزدیک موطن او گوسفند گله‌ای می‌چرانید. گرگ از دور نظاره می‌کرد چنانکه گرگ گلوی گوسفند

گیرد غصه حمایت شبان گلوی گرگ گرفته بود و از گله بجز گرد نصیب دیدهٔ خود نمی‌یافت. دندان نیاز می‌افشرد و می‌گفت:

آری مـــاء و بـــی‌عطـــش شـــدید و لکـــن لا ســـبیل الـــی الـــورود
زین نادرتر کجا بـود هرگـز حـال من تشنه و پیش مـن روان آب زلال

شبانگاه که شبان گله را از دشت سوی خانه راند بزغاله‌ای باز پس ماند. گرگ را چشم بر بزغاله افتاد. پنداشت که غزالهٔ مرغزار گردون بر فتراک مقصود خویش بست. آهنگ گرفتن او کرد. بزغاله چون خود را در انیاب نوایب اسیر یافت دانست که وجه خلاص جز به لطف احتیال نتوان اندیشید. در حال گرگ را به قدم تجاسر استقبال کرد و مکرها لا بطلاً در پیش رفت و گفت: مرا شبان به نزدیک تو فرستاده و می‌گوید که امروز از تو به ما هیچ رنجی نرسید و از گلهٔ ما عادت گرگ ربایی خود بجای بگذاشتی اینک ثمرهٔ آن نیکو سیرتی و نیک سگالی و آزرمی که ما را داشتی مرا کلحم علی وضم مهیا و مهنا پیش چشم مراد تو نهاد و فرمود که من ساز غنا بر کشم و سماعی خوش آغاز نهم تا ترا از هزت و نشاط آن به وقت خوردن من غذایی که به کاربری ذوق را موافق‌تر آید و طبع را بهتر سازد.

گرگ در جوال عشوهٔ بزغاله رفت و کفتار وار بستهٔ گفتار او شد. فرمود که چنان کند. بزغاله در پردهٔ درد واقعه و سوز حادثه نالهٔ سینه را آهنگ چنان بلند کرد که صادی آن از کوهسار به گوش شبان افتاد. چوب دستی محکم بر گرفت. چون باد به سر گرگ دوید و آتش در خرمن تمنای او زد. گرگ از آن جایگه به گوشه‌ای گریخت و خائباً

خاسراً سر بر زانوی تفکر نهاد که این چه امهال جاهلانه و اهمال کاهلانه بود که من ورزیدم.

نای و چنگی که گربگان دارنـد موش را خود به رقص نگاذارنـد

من چرا بگذاشتم که بزغاله مرا بُز گیرد تا به دمدمهٔ چنین لافی و افسون چنین گزافی عنان نهمت از دست من فرو گرفت و دیو عزیمت مرا در شیشه کرد. پدر من چون طعمه بیافتی و به لهنهٔ فراز رسیدی او را مطربان خوش زخمه و مغنیان غزل‌سرای از کجا بودندی که پیش او الحان خوش سراییدندی و بر سر خوان غزلهای خسروانی زدندی.

داستان شگال خر سوار

ملک‌زاده گفت شنیدم که شگالی به کنار باغی خانه‌ای داشت. هر روز از سوراخ دیوار در باغ رفتی و بسی از انگور و هر میوه بخوردی و تباه کردی تا باغبان از او به ستوه آمد. یک روز شگال را در خواب غفلت بگذاشت و سوراخ دیوار را منفذ بگرفت و استوار گردانید و شگال را در دام بلا آورد و به زخم چوبش بیهوش گردانید. شگال خود را مرده ساخت، چندانکه باغبانش به مردگی برداشت و از باغ بیرون انداخت.

چون از آن کوفتگی پاره‌ای با خویشتن آمد از اندیشه جور باغبان جوار باغ بگذاشت پای کشان و لنگان می‌رفت. با گرگی در بیشه‌ای آشنایی داشت به نزدیک او شد. گرگ چون او را بدید پرسید که

موجب این بیماری و ضعف بدین زاری چیست؟ شگال گفت: این پایمال حوادث را سر گذشت احوالی است که سمع دوستان طاقت شنیدن آن ندارد بلکه اگر بر دل سنگین دشمنان خوانم چون موم نرم گردد و بر من بسوزد. با این همه هیچ سختی مرا چون آرزوی ملاقات دیدار تو نبود که اوقات عمر در خیال مشاهدهٔ تو بر دل من منغص می‌گذشت تا داعیهٔ اشتیاق بعد از تحمل داهیهٔ فراق مرا به خدمت آورد.

گرگ گفت: ان الحبیب اذالم یستزر زارا[1]

دوست را چیست به ز دیدن دوست

شاد آمدی و شادی‌ها آوردی و کدام تحفهٔ آسمانی و وارد روحانی در مقابلهٔ این مسرّت و موازنهٔ این مبرت نشیند که ناگهان جمال مبارک نمودی و چنین اندوه را از جبین مراد ما بگشودی.

و همچنین او را به انواع ملاطفات می‌نواخت و تعاطفی که از تعارف ارواح در عالم اشباح خیزد از جانبین درمیان آمد. گرگ گفت من سه روزه شکار کرده‌ام و خورده، امروز چون تو مهمان عزیز رسیدی و ماحضری نیست که حاضر کنم ناچار به صحرا بیرون شوم، باشد که صیدی در قید مراد توانم آورد. ع،

وشبع الفتی لوم اذا جاع ضیفه[2]

---

۱. محبوب وہ ہے کہ خواہش نہ ہونے کے باوجود ملاقات کرے۔

۲. کسی نوجوان کا شکم سیر ہونا اس کے لئے وجہِ ملامت ہے جب کہ اس کا مہمان بھوکا ہو۔

شگال گفت: مرا در این نزدیکی خری آشنا است بروم و او را به دام اختداع در چنگال قهر تو اندازم که چند روز طعمهٔ ما را بشاید.

گرگ گفت: اگر این کفالت می‌نمایی و کلفتی نیست «بسم الله». شگال از آنجا برفت به در دیهی رسید. خری را بر در آسیایی ایستاده دید بارگران از او برگرفته و چهار حمال قوایم از ثقل احمال کوفته و فرو مانده. نزدیک او شد و از رنج روزگارش بپرسید و گفت: ای برادر، تا کی مسخر آدمی زاد بودن و جان خود را در این عذاب فرسودن!

خر گفت از این محنت چاره نمی‌دانم. شگال گفت: مرا در این نواحی به مرغزاری وطن است که عکس خضرت آن بر گنبد خضرای فلک می‌زند. متنزهی از عیش با فرح شیرین‌تر و صحرایی از قوس قزح رنگین‌تر؛ چون دوحهٔ طوبی و حلهٔ حورا سبز و تر و آنگه از آفت دد و دام خالی‌الاطراف و از فساد و زحمتِ سباع و سوام فارغ‌الاکناف. اگر رای کنی آنجا رویم و ما هر دو به مصاحبت و مصادقت یکدیگر به رغادت عیش و لذاذت عمر زندگانی به سر بریم. خر را این سخن بر مذاق وفاق افتاد و با شگال راه مشایعت و متابعت بر گرفت. شگال گفت: من از راه دور آمده‌ام اگر مرا ساعتی بر پشت گیری تا آسایشی یابم همانا زودتر به مقصد رسیم. خر منقاد شد. شگال بر پشت او جست و می‌رفت تا به نزدیکی آن بیشه رسید. خر از دور نگاه کرد. گرگی را دید. با خود گفت. ع:

تأتی الخظوب وانت عنها نائم[1]

ای نفس حریص به پای خود استقبال مرگ می‌کنی و به دست خویش در شباک هلاک می‌آویزی؟

گر دل ز تو اندیشه بهبـود کنـد　　جان در سر اندیشهٔ خود زود کند
آنجا که رسید اگر عنان باز کشد　　خود را و مرا هزار غم سود کنـد

تسویل و تخییل شگال مرا عقال و شکال بر دست و پای عقل نهاد و در این ورطهٔ خطر و خلاب اختلاب افگند؛ چارهٔ خود بجویم. بر جای خود بایستاد و گفت: ای شگال اینک آثار و انوار آن مقامگاه از دور می‌بینم و شموم از اهیر و ریاحین به مشام من می‌رسد و اگر من دانستمی که مأمنی و موطنی بدین خرمی و تازگی داری یکباره اینجا آمدمی. امروز باز گردم فردا ساخته و از مهمات پرداخته به اختیار سعد و اختر فرخنده عزم اینجا کنم. شگال گفت: عجب دارم که کسی نقد وقت را به نسیهٔ متوهم باز کند. خر گفت: راست می‌گویی. اما من از پدر پندنامه‌ای مشحون به فواید موروث دارم که دائماً با من باشد و شب به گاه خفتن زیر بالین خود نهم و بی‌آن خواب‌های پریشان و خیال‌های فاسد بینم. آن را بردارم و با خود بیاورم.

شگال اندیشه کرد که اگر تنها رود بازنیاید و او را برآمدن ممکن باعثی و محرَّضی نباشد؛ لیکن در این چه می‌گوید بر مطابقت و موافقت او کار می‌باید کرد. من نیز باز گردم و عنان عزیمت او از راه

---

۱. حالات طاری ہو جاتے ہیں جبکہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔

باز گردانم. پس گفت: نیکو می‌گویی، کار بر پند پدر و وصایت او نشان کفایت است و اگر از آن پندها چیزی یاد داری فایدهٔ اسماع و ابلاغ از من دریغ مدار. خر گفت: چهار پند است.

اول آنکه هر گز بی‌آن پندنامه مباش و سه دیگر بر خاطر ندارم که در حافظهٔ من خللی هست چون آنجا رسم از پندنامه بر تو خوانم. شگال گفت: اکنون باز گردیم و فردا به همین قرار رجوع کنیم. خر روی به ره آورد به تعجیل تمام، چون هیون زمام گسسته و مرغ دام دریده می‌رفت تا به در دیه رسید.

خر گفت: آن سه پند دیگر مرا یاد آمد خواهی که بشنوی؟ گفت: بفرمای. گفت: پند دوم آن است که چون بدی پیش آید از بتر بترس، سوم آنکه دوست نادان بر دشمن دانا مگزین؛ چهارم آنکه از همسایگی گرگ و دوستی شگال همیشه بر حذر باش. شگال چون این بشنید دانست که مقام توقف نیست از پشت خر بجست و روی بگریز نهاد. سگان دیه در دنبال او رفتند و خون آن بیچاره هدر گشت.

داستان برزیگر با مار

ملک گفت آورده‌اند که برزیگری در دامن کوهی با ماری آشنایی داشت. مگر دانست که ابناء روزگار همه در لباس تلوین نفاق صفت دورنگی دارند و در ناتمامی به مار ماهی مانند و چون نهاد او را بر یک و تیرت و سیرت چنان یافت که اگر ماهیت او طلبند الّا به ماری نسبتی دیگر ندهد بدین اعتبار در دامن صحبت او آویخت و دامن

تعلق از مصاحبان ناتمام بیفشاند. القصه هر وقت برزیگر آنجا رسیدی مار از سوراخ بر آمدی و گستاخ پیش او بر خاک می‌غلتیدی و لقاطات خورش او از زمین بر می‌چیدی.

روزی برزیگر به عادت گذشته آنجا رفت. مار را دید از فرط سرمای هوا که یافته بود برهم پیچیده و سر و دم درهم کشیده و ضعیف و سست و بی‌هوش افتاده. برزیگر را سوابق آشنایی و بواعث نیکو عهدی بر آن باعث آمد که مار را بر گرفت و در توبره نهاد و بر سر خر آویخت تا از دم زدن او گرم گردد و مزاج افسردهٔ او را با حال خویش آرد. خر را همان جایگه ببست و به طلب هیمه رفت. چون ساعتی بگذشت گرمی در مار اثر کرد. با خود آمد. خبث جبلت و شَّر طبیعت در کار آورد و زخمی جان گزای بر لب خر زد و بر جای سرد گردانید و به سوراخ شد.

داستان آهو و موش و عقاب

ملک‌زاده گفت شنیدم که وقتی صیادی به طلب صید بیرون رفت. دام نهاد. آهویی در دام افتاد. بیچاره در دام می‌طپید و بر خود می‌پیچید و از هر جانب نگاه میکرد تاچشمش بر موشی افتاد که از سوراخ بیرون آمده بود؛ حال او مشاهده می‌کرد. موش را آواز داد و گفت: اگرچه میان ما سابقهٔ صحبتی و رابطهٔ الفتی نرفته است و هیچ حقی از حقوق بر تو متوجه ندارم که بدان وجه ترا لازم آید به تدارک حال من ایستادگی نمودن، لکن آثار حسن سیرت باطن از نکو خویی

وتازه رویی بر ظاهر تو می‌بینم؛ توقع می‌کنم که این افتادهٔ صدمهٔ نوایب را دست گیری و عقدهٔ این محنت از پای من به دندان بر گشایی تا چون خلاص باشد از بن دندان خدمت تو همه عمر لازم شمرم و طوق طاعت تو در گردن نهم و رقم رقیت ابد بر ناصیهٔ حال خود کشم و ترا ذخیره‌ای بزرگ از بلند نامی و والا منشی مقتنی شود و بر صحیفهٔ حسنات ثبت گردد.

موش از آنجا که دنائت و خیم و خلق لئیم او بود گفت: سر ناشکسته را به داور بردن نه از دانایی باشد؛ من حقارت خویش می‌دانم و جسارت صیاد می‌شناسم. اگر از عمل من آگاهی یابد خانهٔ من ویران کند و من از زمرهٔ آن جهال باشم که گفت: "يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ"[1] و من همیشه از پدر خویش این وصیت یاد دارم "لاتکن اجهل من فراشته"[2].

کاری که نه کار تست مسپار راهی که نه راه تست مسپر

پس روی از آهوی بگردایند و او را همچنان مقید و مسلسل در بند بلا بگذاشت. گامی دو سه برگرفت. خواست که در سوراخ خزد. عقابی از عقبهٔ پرواز درآمد و موش را در مخلب گرفت و از روی زمین در ربود. صیاد فراز آمد. غزالی را که به هزار غزل و نسیب

---

۱. سورۃالحشر، آیت: ۲: وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اجاڑ رہے تھے (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

۲. پروانے سے بھی زیادہ نادان نہ ہو۔اجهل من فراشهٔ، لانّها تطلب النّار فتلقی بنفسها فیها فتهلک (مجمع الامثال) وہ پروانے سے بھی زیادہ نادان ہے کہ پروانہ آگ اور روشنی کی طلب اور خواہش میں خود کو اس پر قربان کر دیتا ہے۔

تشبیت عشق جمال لحظات و دلال خطرات او نتوان کرد بسته دام خویش یافت. گاه در چشمش خیال غمزهٔ خوبان دیدی گاه بر گردنش زیور حسن دلبران بستی. با خود اندیشید که خاک جنس این حیوان از خون هزار سفله از نوع انسان بهتر. من خاک در شکم آز کنم و خون او نریزم. آهو را بر دوش نهاد و آهنگ بازار کرد. در راه نیک مردی پیش آمد. چشمش بر آن آهوی خوش چشم کشیده گردن افتاد. اندیشید که چنین گردنی را در چنبر بلا گذاشتن و چنین چشمی را از چشم زخم آفت نگه نداشتن از مذهب مروت دور می‌نماید و اگرچه رخصت شریعت است کدام طبیعت سلیم و سحبیت کریم خون جانوری ریختن فرماید؛ فخاصه که در معرض تعدی هیچ شری و ضرری نتواند بود. آهو را از صیاد به دیناری بخرید و رها کرد و از آن مضیق هلاک آزاد شد و گفت آن که بی‌گناهی را از کشتن برهاند هرگز بی‌گناه کشته نشود.

داستان مرد طامع با نوخره

ملک‌زاده گفت شنیدم که به زمین شام پادشاهی بود هنرمند؛ دانش‌پسند، سخن‌پرور. مردی نوخره نام درمیان ندمای حضرت داشت. چنانکه عادت روزگار است اگرچه به اهلیت از همه متأخر بود به رتبت قبول بر همه تقدم داشت. روزی شخصی خوش‌محضر، پاکیزه‌منظر، نکته‌انداز، بذله‌پرداز، شیرین‌لهجه، چرب‌زبان، لطیفه‌گوی، به نشین که همنشینی ملوک را شایستی به رغبتی صادق و شوق غالب از کشوری

دور دست بر آوازهٔ محاسن و مکارم پادشاه به خدمت آستانهٔ او شتافت تا مگر در پناه آن دولت جای یابد و از آسیب حوادث در جوار مأمون او محروس و مصون بماند. به نزدیک نوخره آمد و صدق تمام در مصادقت او بنمود و مدت یک دو سال عمر به عشوهٔ امانی می‌داد و در ملازمت صحبت او روزگار می‌گذرانید و هر وقت در معاریض اشارات‌الکلام عرض دادی که مقصود من از این دوستی توسلی است که از تو به خدمت پادشاه می‌جویم و توصلی که به دریافت این غرض می‌پیوندم مگر به پایمردی اهتمام تو شرف دستبوس او بیابم و در عقد حواشی و خدم آیم. نوخره می‌شنید و به تغافل و تجاهل به سر می‌برد. چون سال بر آمد آن سعی مفید نشد مرد طامع طمع از او بر گرفت به ترک نوخره بگفت و آتش دربار منت او زد و زبان بی‌آزرمی دراز کرد:

گفتم که به سایهٔ تو خرشید شـوم　　نه آنکه چو عود آیم و چون بید شوم
نومیـد دلیـر باشـد و چیـره زبـان　　ای دوست چنان مکن که نومید شوم

تا از سر غصهٔ غبن خویش قصه‌ای به بادشاه نوشت که این نوخره حاشاللسامعین معلول علتی است از علل عادیه که اطبای وقت از مجالست ومؤاکلت او تجنب می‌فرمایند. شهریار چون قصه برخواند فرمود که نوخره را دیگر به حضرت راه ندهند و معرت حضور او از درگاه دور گردانند. چون به در سرا پرده آمد دست رد به سینه‌اش باز نهادند. او باز گشت و یک سال در محرومی از سعادت قربت و مهجوری از آستان خدمت، سنگ صبر بر دل بست

و نقد عنایت پادشاه بر سنگ ثبات می‌آزمود؛ تا خود عیار اصل به چه موجب گردانیدست و نقش سعایت او به چگونه بسته‌اند.

آخرالامر چون از جلیت کار آگاهی یافت جمعی را از ثقات و اثبات ملک و امنا و جلسای حضرت که محل اعتماد پادشاه بودند حاضرکرد و پیش ایشان از جامه بیرون آمد و ظواهر اعضای خویش تمام بدیشان نمود. هیچ جایی سمت نقصان ندیدند. حکایت حال و نکایتی که دشمن در حق نوخره اندیشیده بود به سمع پادشاه رساینیدند تا خیالی که او نشانده بود از پیش خاطرش برخاست و معلوم شد که ماده این فساد از کدام غرض تولد کردست. اما گفت راست گفته‌اند که چون گل بر دیوار زنی اگر در نگیرد نقش آن لامحاله بماند. من هرگاه نوخره را ببینم از آن تهمت یاد آرم نفرتی و نبوتی از دیدار او در طبع من پدید آید به تمحل تمام تحمل آن کراهیت باید کرد «و اذا احتاج الزق الی الفلک فقد هلک[1]» پس بفرمود تا او را به ناحیتی دور دست فرستادند.

داستان شهریار بابل با شهریارزاده

ملک‌زاده گفت شنیدم که به زمین بابل پادشاهی بود فرزندی خرد

---

۱. جب آبی پرندہ فلک کا محتاج ہو جائے تو پھر وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔
حقّه الفلک جمع فلکۀ المغزل فحرّک للازدواج یضوب لکبیر یحتاج الی الصغیر (مجمع الامثال) وہ خود چرخے کا مالک ہے وہ اس کے دمڑکے کو دہرا کے گھوماتا ہے۔ (یہ مثال اس لیے دی جاتی ہے کہ بڑا بھی چھوٹے کا محتاج ہوتا ہے)

داشت به وقت آنکه متقاضی اجل دامن و گریبان امل او بگرفت هنگام نزول قضا و نقل او از سرای فنا به دار بقا فراز رسید. برادر را بخواند و در اقامت کار پادشاهی قایم مقام خود بداشت و به ترقیح و تمشیت حال ملک و ترشیح و تربیت فرزند خویش او را مولی و موصی گردانید و گفت: من زمام قبض و بسط و عنان تولی و تملک در مجاری امور ملک به تو سپردم مربوط و مشروط به شرطی که چون فرزند من به مرتبهٔ بلوغ و درایت رسد و حکم تحکم و قید ولایت از او برخیزد و به ایناس رشد و تهدی بادید آید او را در صدر استقلال بنشانی و خویشتن را زیر دست و فرمان پذر دانی و حکم او بر خود اجحاف نشمری و از طاعت او استنکاف ننمایی و اگر وقتی شیطان حرص ترا به وسوسه خیانتی هتک پردهٔ دیانت فرماید؛ خطاب «إِنَّ اللهَ يَأمُرُكُمْ اَن تُؤدُّواْ الامَانَاتِ إِلَى اَهْلِهَا[1]» پیش خاطر داری بر این نسق عهدی و پیمانی مستوثق بستند.

پدر درگذشت. پسر بالیده گشت و به مقام مزاحمت و مطالبت ملک رسید. پادشاه را عشق مملکت با سیصد و شصت رگ جان پیوند گرفته بود و لذت آن دولت و فرمانروایی را با مذاق طبع آمیختگی تمام حاصل آمده، اندیشید که این پسر رتبت پدری گرفت و در بت کاردانی یافت. عن قریب به استرداد حکم مملکت برخیزد

---

۱. سورۃ النساء، آیت ۵۸۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ۔ [ترجمہ محمد جوناگڑھی]

و سودای استبداد در دماغش نشیند. اگر من به روی ممانعت و مدافعت پیش آیم سروران و گردنکشان ملک در اطراف و حواشی ولایت از من تحاشی نمایند و به هیچ دستان و نیرنگ ایشان را همداستان و یکرنگ نتوانم کرد. چاره همان است که چنانکه من به هلاک او متهم نباشم زحمت وجودش از پیش بر گیرم.

روزی به عزم شکار بیرون رفت و شهریارزاده را نیز با خود ببرد و چون به شکارگاه رسیدند و لشکر از هر جانب بپراگند، در موضعی خالی افتادند. شاهزاده را از اسب فرو آورد و به دست خویش هر دو چشم جهان بین او بر کند و از آنجا باز گشت. بیچاره را اگرچه دیدهٔ ظاهر از مطالعهٔ عالم محسوسات در بستند به دیدهٔ باطن صحایف اسرار قدر می‌خواند و شرح دستگاری قدم بر دست اعجاز عیسی مریم می‌دید و در پردهٔ ممکنات قدرت ندای «وَأُبْرِئُ الأَکْمَهَ والابْرَصَ وَأُحْیِی الْمَوْتَی»[1] به سمع خرد می‌شنید.

القصه چون زیور منور روز از اطراف جهان فرو گشودند و تتق ظلام شب بر رواق افق بستند، مادر روزگار از فتنه زایی سترون شد و شب به نتایج تقدیر آبستن گشت و چشم بندان کواکب از این پردهٔ آبگون بازیهای گوناگون بیرون آوردند. آن مسکین به بیغوله مسکنی می‌پناهید تا دست او بر درختی آمد. از بیم درندگان بر آن درخت

---

[1] سورۃ آل عمران، آیت: ۴۹» مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

رفت و دست در شاخی آویخت و بر مرصد واردات غیب بنشست. تاخود فلک از پرده چه آرد بیرون.

ناگاه مهتر پریان که زیر آن درخت نشستگاه داشت و هرشب آن جایگاه مجمع پریان و مهجع ایشان بودی بیامد و برجای خود بنشست و پریان عالم گرد او درآمدند و به مسامرت و مساهرت با یکدیگر، شب می‌گذاشتند و از متجددات وقایع روزگار خبرها میدادند و خبایای اسرار از اقطار و زوایای گیتی کشف می‌کردند؛ تا یکی از میانه گفت: امروز شهریار بابل با شهریارزاده کیدی کردست و چنین غدری روا داشته.

مهتر پریان گفت: اگر آن پادشاه‌زاده بداند و از خاصیت برگ این درخت آگاه شود لختی از آن بر چشم مالد بینا گردد و در فلان خارستان گزبنی بدین صفت رسته مار اژدهای در او آرامگاه دارد تنینی که چون برهم پیچد و حلقه شود زهر نحوست از عقدهٔ رأس و ذنب بر مریخ و زحل بارد؛ ثعبانی که به جای افسون و دم از سحرهٔ فرعون عصای موسی خورد، طالع ولادت آن مار و آن شهریار هر دو یکی است و در یک نقطهٔ حرکت افتاده چون کوکب قاطع به درجهٔ طالع این رسد هلاک او جایز باشد اگر شهریارزاده آن مار را تواند کشتن پس کشتن او و مردن شاه بابل یکی بود.

شهریارزاده چون این ماجرا بشنید برگی از آن درخت بر گرفت و بر چشم مالید هر دو دیدهٔ او چون دو چراغ افروخته روشن شد و صورت قدرت الهی به چشم سر روشن بدید و گفت:

ســپاس آفرینـنــدهٔ پــاک را که گویا و بینا کنـد خـاک را

و آنگه به گوش عقل می‌گفت: «مَنْ یُحْیِی الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیمٌ[1]» و هر ساعت فرو می‌خواند «قُلْ یُحْیِیهَا الَّذِی أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیمٌ »[2] چون ظفر بدین سعادت نقد وقت یافت به تحصیل قرینهٔ سعادت دیگر شتافت بامداد که سیاه مار شب مهره خرشید از دهان مشرق برانداخت از درخت فرو آمد و به وطن گاه مار رفت و دمار از وجود مار برآورد. در حال شهریار بابل جان به قابض ارواح و ملک به قبض ملک‌زاده تسلیم کرد و آن سلیم زخم حوادث به سلامت به مرکز ملک و منشاء دولت رسید و به پادشاهی بنشست.

---

۱ سورۃ یس، آیت: ۷۸، (ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

۲ سورۃ یس، آیت: ۷۹، وہی جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی جس سے تم یکایک آگ سلگاتے ہو (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

چہار مقالہ تالیف نظامی عروضی سمرقندی

چہار مقالہ کا اصلی نام مجمع النوادر ہے یہ فارسی نثر کی نہایت اہم کتاب ہے اس کا مصنف ابوالحسن احمد سمرقندی ملقب بہ نظامی عروضی ہے جس نے اسے ۵۵۰ھ مطابق ۱۱۵۶ء میں لکھا اور اس کتاب کو غزنوی شہزادہ ابوالحسن حسام الدین کے نام معنون کیا۔ چہار مقالہ فارسی ادب کی نہایت مقبول کتاب ہے یہ کتاب اپنی افادیت کی بنا پر نہ صرف فارسی ادب کی اعلیٰ ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے بلکہ اپنے زمانے کے تاریخی، سیاسی، سماجی اور ادبی ماحول کی آئینہ دار ہے۔ اس کتاب کا مصنف نظام الدین احمد بن عمر سمرقندی، «نظامی عروضی» سے مشہور اور چھٹی صدی ہجری قمری کے شاعر اور مصنف ہے۔ عروضی نہ صرف فارسی انشا اور بلاغت کا استاد تھا بلکہ وہ علم و ادب میں خاص مہارت رکھتا تھا اور خود بھی ایک اچھا شاعر تھا۔ عروضی نے اپنی شاعری کے نمونہ اس کتاب میں دئے ہیں۔ عروضی کی نثر بہت ہی خوبصورت ہے، صنایع و بدایع کا استعمال بہت ہی اچھے انداز سے کیا ہے، کم الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہہ کر اپنے خیالات پیش کرنا اس کی نثر کی ایک خوبی ہے، ان کا انداز قدماء سے مشابہ ہے۔ ان کی شناخت کی سب سے بڑی وجہ ان کی نایاب تالیف چہار مقالہ ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ کتاب چار مقالوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ علم دبیری کی ماہیت پر ہے۔ دوسرا شعر، تیسرا طب اور چوتھا علم نجوم کی ماہیت پر۔ نظامی عروضی نے ہر ہر مقالے کے آغاز میں پہلے ہر ایک فن کی توضیح دی ہے پھر اچھے دبیر، اچھے شاعر، اچھے منجم اور اچھے طبیب کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اور آخر میں اپنے بیان کی وضاحت میں دس دس حکایات اور آخری مقالے میں بارہ حکایات لکھیں ہیں۔ نظامی کا خیال ہے کہ ہر حکمران کو اپنی مملکت کو صحیح ڈھنگ سے چلانے کے لئے اچھے مشیروں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان

مشیروں میں دبیر، شاعر، طبیب اور منجم خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کتاب میں مقالہ دوم خاص ہے جس میں فارسی کے قدیم شعراء جو سامانی، غزنوی، سلجوقی، ایلخانی اور غوری خاندان کے معاصر تھے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ نظامی عمر خیام سے ملا ہے اور اسے استاد قرار دیتا ہے۔ پروفیسر براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی دوسری جلد میں لکھا ہے کہ قدیم ترین کتاب جس میں خیام کا ذکر ملتا ہے نظامی عروضی سمرقندی کی «چہار مقالہ» ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں مرزا محمد قزوینی نے بھی اس رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"مقام سوم بواسطهٔ اشتمال آن بر بعضی در خصوص عمر خیام... دارای اهمیت مخصوص است زیرا که چهارمقاله اولین کتابی است که ذکری از عمر خیام در آن شده و آنگهی مصنف خود معاصر او بوده و با وی ملاقات نموده است" (چهار مقاله، ص د)

چہار مقالہ میں بعض ایسے تاریخی مطالب اور مشاہیر کے حالات وغیرہ بھی ملتے ہیں جو کسی دیگر کتاب میں نہیں ملتے بلکہ بہت سی تاریخی اور ادبی کتابوں میں چہار مقالہ سے ہی نقل ہوتے رہے ہیں۔ یہ کتاب اپنے طرز تحریر کی بنا پر، اپنی نثر اور سلاست کی وجہ سے فارسی ادیبوں اور انشاپردازوں کے لئے سر مشق اور نمونہ کا کام دیتی ہے اور اسی غیر معمولی شہرت کی بنا پر فارسی ادب کے نصاب میں شامل رہی ہے۔

اس کتاب کے بہت سے ترجمہ بھی ہوئے ہیں جن میں پروفیسر براؤن نے ۱۸۹۹ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا اور ۱۹۲۱ء میں اس پر نظر ثانی کرکے دوبارہ شایع کیا۔ ۱۳۲۷ ہجری میں مشہور ایرانی محقق مرزا محمد قزوینی نے تصحیح کرکے سیر حاصل تاریخی و ادبی تعلیقات کے ساتھ شایع کیا۔ ۱۹۵۷ء میں ڈاکٹر محمد معین نے مفصل مقدمہ مع تعلیقات و حواشی ایران سے شایع کیا۔ ہندوستان میں یہ کتاب متعدد بار مختلف مطبوعات سے شایع ہوتی رہی ہے۔

چهار مقاله عروضی سمرقندی

درماهیت دبیری و کیفیت دبیر کامل و آنچه تعلق بدین دارد

دبیری صناعتی است مشتمل بر قیاسات خطابی و بلاغی، منتفع در مخاطباتی که درمیان مردم است بر سبیل محاورت و مشاورت و مخاصمت، در مدح و ذم و حیلت و استعطاف و اغراء و بزرگ گردانیدنِ اعمال و خُرد گردانیدنِ اشغال و ساختن وجوه عذر و عتاب و اِحکام وثائق و اذکار سوابق و ظاهر گردانیدن ترتیب و نظام سخن در هر واقعه تا بر وجه اولی و احری ادا کرده آید. پس دبیر باید که کریم‌الاصل، شریف‌العرض، دقیق‌النظر، عمیق‌الفکر، ثاقب‌الرّأی باشد و از ادب و ثمرات آن قسم اکبر و حظ اوفر نصیب او رسیده باشد و از قیاسات منطقی بعید و بیگانه نباشد و مراتب ابناءِ زمانه شناسد و مقادیر اهل روزگار داند و به حطام دنیاوی و مزخرفات آن مشغول نباشد و به تحسین و تقبیح اصحاب اغراض و ارباب اغماض الفتات نکند وغرّه نشود و عرض مخدوم را در مقامات ترسل از مواضع نازل و مراسم خامل محفوظ دارد و در اثناء کتابت و مساق ترسل بر ارباب حرمت و اصحاب حشمت نستیزد و اگر چه میان مخدوم و مخاطب او مخاصمت باشد او قلم نگاه دارد و در عرض او

وقیعت نکند الّا بدان کس که تجاوزِ حد کرده باشد و قدم حرمت از دایرهٔ حشمت بیرون نهاده که «واحدة بواحدة» و «ابادیء اَظلَم» و در عنوانات طریق اوسط نگاه دارد و به هرکس آن نویسد که اصل و نسب و ملک و ولایت و لشکر و خزینهٔ او بر آن دلیل باشد؛ الّا به کسی که در این باره مضایقتی نموده باشد و تکبّری کرده و خُرده‌ای فرو گذاشته و انبساطی فزوده که خردِ آن را موافق مکاتبت نشمرد و ملایم مراسلت نداند. در این موضع دبیر را دستوری است و اجازت که قلم بر دارد و قدم در گذارد و در این ممر به اقصای غایت و منتهای نهایت برسد که اکمل انسان و افضل ایشان «صلوات الله و سلامه علیه» می‌فرماید که «التکبر مع المتکبر صدقة[۱]» و البتّه که هیچ غباری در فضای مکاتبت از هوایِ مراسلت بر دامن حرمت مخدوم او نشیند و در سیاقت سخن آن طریق گیرد که الفاظ متابع معانی آید و سخن کوتاه گردد که فصحاءِ عرب گفته‌اند: «خیرالکلام ما قلّ و دلّ[۲]» زیرا که هرگاه که معانی متابع الفاظ افتد سخن دراز شود و کاتب را مکثار خواند، «والمکثار مهذار[۳]».

امّا سخن دبیر بدین درجه نرسد تا از هر علم بهره‌ای ندارد و از هر استاد نکته‌ای یاد نگیرد و از هر حکیم لطیفه‌ای نشنود و از هر

---

۱. تکبر متکبر کے ساتھ صدقہ ہے۔ (صاحب نخوت کے ساتھ غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرنا ایک گونہ نیکی ہے۔)

۲. بہترین بات وہ ہے جو مختصر ہو۔

۳. زیادہ بولنے والا بیہودہ ہوتا ہے۔

ادیب طرفه‌ای اقتباس نکند. پس عادت باید کرد به خواندن کلام رب‌العزة و اخبار مصطفی و آثار صحابه و امثال عرب و کلمات عجم و مطالعهٔ کتب سلف و مناظرهٔ صحف خلف، چون: ترسل صاحب وصایای و قابوس و الفاظ حمادی و امامی و قدامهٔ بن جعفر و مقامات بدیع و حریری و حمید و توقیعات بلعمی و احمد حسن و ابو نصر کندری و نامه‌های محمد عبده و عبدالحمید و سیدالرؤساء و مجالس محمد منصور و ابن عبادی و ابن النّسّابة العلوی و از دواوین عرب دیوان متنبّی و ابیوردی و غزّی و از شعر عجم اشعار رودکی و مثنوی فردوسی و مدایح عنصری. هر یکی از اینها که بر شمردم در صناعت خویش نسیج وحده بودند و وحید وقت و هر کاتب که این کتب دارد و مطالعهٔ آن فرو نگذارد خاطر را تشحیذ کند و دماغ را صقال دهد و طبع را بر افروزد و سخن را به بالا کشد و دبیر بدو معروف شود؛ امّا چون قرآن داند به یک آیتی از عهدهٔ ولایتی بیرون آید، چنانکه اسکافی.

حکایت

اسکافی دبیری بود از جملهٔ دبیران آلِ سامان «رحمهم الله» و آن صناعت نیکو آموخته بود و بر شواهق نیکو رفتی و از مضایق نیکو بیرون آمدی و در دیوان رسالت نوح بن منصور محرّری کردی، مگر قدر او نشناختند و به قدر فضل او را ننواختند. از بخارا به هرات رفت به نزدیک الپتگین و الپتگین ترکی خرد من بود و ممیز. او را

عزیز کرد و دیوان رسالت بدو تفویض فرمود و کار او گردان شد و به سبب آن که نو خاستگان در حضرت پدیدار آمده بودند بر قدیمان استخفاف همی‌کردند و الپتگین تحمّل همی‌کرد و آخر کار او به عصیان کشید به استخفافی که در حقّ او رفته بود به اغراءِ جماعتی که نوخاسته بودند و امیر نوح از بخارا به زاولستان بنوشت تا سبکتگین با آن لشکر بیایند و سیمجوریان از نیشابور بیایند و با الپتگین مقابله و مقاتله کنند و آن حرب سخت معروف است و آن واقعه صعب مشهور.

پس از آن که آن لشکرها به هرات رسیدند، امیر نوح بن محتاج الکشانی را که حاجب الباب بود با الپتگین فرستاد با نامه‌ای چون آب و آتش. مضمون او همه وعید و مقرون او همه تهدید. صلح را مجال نا گذاشته و آشتی را سبیل رها ناکرده، چنانکه در چنین واقعه‌ای و چنین داهیه‌ای خداوندِ ضجر قاصی به بندگان عاصی نویسد. همه نامه پر از آن که بیایم و بگیرم و بکشم. چون حاجب، ابوالحسن علی بن محتاج الکشانی، نامه عرضه کرد و پیغام بگفت و هیچ باز نگرفت الپتگین آزرده بود آزرده‌تر شد. بر آشفت و گفت: "من بندهٔ پدر اویم، اما در آن وقت که خواجهٔ من از دار فنا به دار بقا تحویل کرد او را به من سپرد نه مرا بدو و اگرچه از روی ظاهر مرا در فرمان او همی‌باید بود امّا چون قضیت را تحقیق کنی نتیجه برخلاف این آید که من در مراحل شیبم و او در منازل شباب و آنها که او را بر این بعث همی‌کنند ناقض این دولت‌اند نه ناصح و هادم این خاندان‌اند نه

خادم" و از غایت زعارت به اسکافی اشارت کرد که چون نامه جواب کنی از استخفاف هیچ باز مگیر و برپشت نامه خواهم که جواب کنی. پس اسکافی بر بدیهه جواب کرد و اوّل بنوشت: "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ"[1]. چون نامه به امیر خراسان نوح بن منصور رسید، آن نامه بخواند؛ تعجّب‌ها کرد و خواجگان دولت حیران فروماندند و دبیران انگشت به دندان گزیدند. چون کار الپتگین یک سو شد، اسکافی متواری گشت و ترسان و هراسان همی‌بود، تا یک نوبت که نوح کس فرستاد و او را طلب کرد و دبیری بدو داد و کار او بالا گرفت و در میان اهل قلم منظور و مشهور گشت. اگر قرآن نیکو ندانستی در آن واقعه بدین آیت نرسیدی و کار او از آن درجه بدین غایت نکشیدی.

حکایت

چون اسکافی را کار بالا گرفت، در خدمت امیر نوح بن منصور متمکّن گشت و ماکان کاکوی به ری و کوهستان عصیان آغاز کرد و سر از ربقهٔ اطاعت بکشید و عمّال به خوار و سمنک[2] فرستاد و چند

---

۱. سورہ ہود، آیت ۳۴۔ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے نوح! تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی۔ اب تو جس چیز سے ہمیں دھمکا رہا ہے وہی ہمارے پاس لے آ، اگر تو سچوں میں ہے۔ (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

۲. عمال اور سمنک دونوں شہر کے نام ہیں۔

شهر از کومش به دست فرو گرفت و نیز از سامانیان یاد نکرد. نوح بن منصور بترسید از آن که او مردی سهمگین و کافی بود و به تدارک حال او مشغول گشت و تاش سپهسالار را با هفت هزار سوار به حرب او نامزد کرد که برود و آن فتنه را فرو نشاند و آن شغل گران از پیش بر گیرد، بر آن وجه که مصلحت بیند که تاش عظیم خردمند بود و روشن رأی و در مضایق چست درآمدی و چابک بیرون رفتی و پیروز جنگ بودی و از کارها در هیچ بی‌مراد باز نگشته بود و از حرب‌ها هیچ شکسته نیامده بود و تا او زنده بود ملک بنی سامان رونقی تمام و کار ایشان طراوتی قوی داشت. پس در این واقعه امیر عظیم مشغول دل بود و پریشان خاطر. کس فرستاد و اسکافی را بخواند و با او به خلوت بنشست و گفت: "من از این شغل عظیم هراسانم که ماکان مردی دلیر است و با دلیری و مردی کفایت دارد و جود هم و از دیالمه چون او کم افتاده است، باید که با تاش موافقت کنی و هرچه در این واقعه از لشکر کشی بر وی فرو شود تو با یاد او فرو دهی و من به نشابور مقام خواهم کرد تا پشت لشکر به من گرم گردد و خصم شکسته دل شود. باید که هر روز مُسرعی با ملطّفه از آن تو به من رسد و هرچه رفته باشد نکت از آن بیرون آورده باشی و در آن ملطّفه ثبت کرده، چنانکه تسلّی خاطر آید".

اسکافی خدمت کرد و گفت: "فرمانبردارم".

پس دیگر روز تاش رایات بگشاد و کوس بزد و بر مقدّمه از بخارا برفت و از جیحون عبر کرد با هفت هزار سوار و امیر با باقی

لشکر در پی او به نشابور بیامد. پس امیر تاش را و لشکر را خلعت بداد و تاش در کشید و به بیهق درآمد و به کومش بیرون شد و روی به ری نهاد با عزمی درست و حزمی تمام و ماکان با ده هزار مرد حربی زره پوشیده بر در ری نشسته بود و به ری استناد کرده، تا تاش برسید و از شهر برگذشت و در مقابل او فرود آمد و رسولان آمد و شد گرفتند، بر هیچ قرار نگرفت که ماکان مغرور گشته بود بدان لشکر دل انگیز که از هر جای فراهم آورده بود. پس بر آن قرار گرفت که مصاف کنند و تاش گرگ پیر بود و چهل سال سپهسالاری کرده بود و از آن نوع بسیار دیده؛ چنان ترتیب کرد که چون دو لشکر در مقابل یکدیگر آمدند و ابطال و شداد لشکر ماوراءالنهر و خراسان از قلب حرکت کردند، نیمی از لشکر ماکان به جنگ دستی گشادند و باقی حرب نکردند و ماکان کشته گشت. تاش بعد از آنکه از گرفتن و بستن و کشتن فارغ شد، روی به اسکافی کرد و گفت: "کبوتر بباید فرستاد بر مقدمه، تا از پی او مسرع فرستاده شود، اما جملهٔ وقایع را به یک نکته باز باید آورد چنانکه بر همگی احوال دلیل بود و کبوتر بتواند کشید و مقصود به حاصل آید. پس اسکافی دو انگشت کاغذ بر گرفت و بنوشت: امّا ما کان فصار کاسمه والسلام". از این ماء مای نفی خواست و از کان فعل ماضی؛ تا پارسی چنان بود که ماکان چون نام خویش شد، یعنی نیست شد. چون این کبوتر به امیر نوح بن منصور رسید، از این فتح چندان تعجّب نکرد که از این لفظ و اسباب ترفیه اسکافی تازه فرمود و

گفت: "چنین کس فارغ دل باید تا به چنین نکته‌ها برسد".

حکایت

لمغان شهری است از دیار سند از اعمال غزنین و امروز میان ایشان و کفّار کوهی است بلند و پیوسته خائف باشند از تاختن و شبیخون کفّار. امّا لمغانیان مردمان بشکوه باشند و جلد و کسوب و با جلدی زعری عظیم تا بغایتی که باک ندارد که بر عامل به یک من کاه و یک بیضه رفع کنند و بکم ازین نیز روا دارند که بتظلّم بغزنین آیند و یک ماه و دو ماه مقام کنند و بی‌حصول مقصود باز نکردند. فی‌الجمله در لجاج دستی دارند و از ابرام پشتی، مگر در عهد یمین‌الدّوله سلطان محمود «انارالله برهانه» یکی شب کفّار بر ایشان شبیخون کردند و بانواع خرابی حاصل آمد. ایشان خود بی‌خاک مراغه کردندی، چون این واقعه بیفتاد، تنی چند از معارف و مشاهیر برخاستند و بحضرت غزنین آمدند و جامه‌ها بدریدند و سرها برهنه کردند و واویلا کنان ببازار غزنین درآمدند و ببارگاه سلطان شدند و بنالیدند و بزاریدند و آن واقعه را بر صفتی شرح دادند که سنگ را بر ایشان گریستن آمد و هنوز این زعارت و جلادت و تزویر و تمویه از ایشان ظاهر نگشته بود. خواجهٔ بزرگ آمد، حسن میمندی را بر ایشان رحمت آمد و خراج آن سال ایشان را ببخشید و از عوارضشان مصون داشت و گفت: "باز گردید و بیش کوشید و کم خرچ کنید، تا سر سال بجای خویش باز آیید" جماعت لمغانیان با فرحی قوی و بشاشتی تمام باز

گشتند و آن سال مرّفه بنشستند و آب بکس ندادند و چون سال بسر شد، همان جماعت باز آمدند و قصّه خود بخواجه رفع کردند، نکت آن قصّه مقصود بر آنکه سال پار خداوند خواجه بزرگ ولایت ما را برحمت و عاطفت خویش بیاراست و به حمای‌ت و حیاطت خود نگاهداشت و اهل لمغان بدان کرم و عاطفت بجای خویش رسیدند و چنان شدند که در آن ثغر مقام توانند کرد. امّا هنوز چون مزلزلی‌اند و می‌ترسم که اگر مال مواضعت را امسال طلب کنند بعضی مستأصل شوند و اثر آن خلل هم بخزانهٔ معموره باز گردد. خواجه احمد حسن هم لطفی بکرد و مال دیگر سال ببخشید. درین دو سال اهل لمغان توانگر شدند و بر آن بسنده نکردند، در سال سوم طمع کردند که مگر ببخشد، همان جماعت باز بدیوان حاضر آمدند و قصّه عرضه کردند و همه عالم را معلوم شد که لمغانیان بر باطل‌اند. خواجهٔ بزرگ قصّه بر پشت گردانید و بنوشت که «الخراج خراج اداوه دوائه»[1]. گفت: خراج ریش هزار چشمه است، گزاردن او داروی اوست و از روزگار آن بزرگ این معنی مثلی شد و در بسیار جای بکار آمد. خاک بر آن بزرگ خوش باد!

---

[1] درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔

مقاله دوم

در ماهیت علم شعر و صلاحیت شاعر

شاعری صناعتی است که شاعر بدان صناعت اتّساق مقدّمات موهمه کند و التئام قیاسات منتجه بر آن وجه که معنی خرد را بزرگ گرداند و معنی بزرگ را خرد و نیکو را در خلعت زشت باز نماید و زشت را در صورت نیکو جلوه کند و به ایهام قوّت‌های غضبانی و شهوانی را برانگیزد، تا بدان ایهام طباع را انقباضی و انبساطی بود و امور عظام را در نظام عالم سبب شود. چنانکه آورده‌اند:

حکایت

احمد بن عبدالله الخجستانی را پرسیدند که تو مردی خربنده بودی، بامیری خراسان چون افتادی؟ گفت: ببادغیس در خجستان روزی دیوان حنظله بادغیسی همی‌خواندم بدین دو بیت رسیدم:

مهتری گر بکام شیر در است شو خطر کن ز کام شیر بجوی
با بزرگی و عزّ و نعمت و جاه یا چو مردانت مرگ رویا روی

داعیه‌ای در باطن من پدید آمد که به هیچ وجه در آن حالت که اندر بودم راضی نتوانستم بود، خران را بفروختم و اسب خریدم و از وطن خویش رحلت کردم و به خدمت علی بن اللیث شدم برادر یعقوب بن اللیث و عمرو بن اللیث و باز دولت صفّاریان در ذروهٔ اوج علیّن پرواز همی‌کرد و علی برادر کهین بود و یعقوب و عمرو را بر او اقبالی تمام بود و چون یعقوب از خراسان بغزنین شد از راه

جبال، علی بن اللیث مرا از رباط سنگین باز گردانید و بخراسان بشحنگی اقطاعات فرمود و من از آن لشکر سواری صد بر راه کرده بودم و سواری بیست از خود داشتم و از اقطاعات علی بن اللیث یکی کروخ هری بود و دوم خوافِ نیشابور. چون بکروخ رسیدم فرمان عرضه کردم، آنچه بمن رسید تفرقه لشکر کردم و به لشکر دادم سوار من سیصد شد. چون بخواف رسیدم و فرمان عرضه کردم، خواجگان خواف تمکین نکردند و گفتند: ما را شحنه‌ای باید با ده تن. رای من بر آن جمله قرار گرفت که دست از طاعت صفّاریان باز داشتم و خواف را غارت کردم و بروستای بشت بیرون شدم و به بیهق درآمدم، دو هزار سوار بر من جمع شد. بیامدم و نشابور بگرفتم و کار من بالا گرفت و ترقّی همی‌کرد تا جملهٔ خراسان خویشتن را مستخلص گردانیدم. اصل و سبب این دو بیت شعر بود و سلامی اندر تاریخ خویش همی‌آرد که کار احمد بن عبدالله به درجه‌ای رسید که به نیشابور یک شب سیصد هزار دینار و پانصد سر اسب و هزار تا جامه ببخشید و امروز در تاریخ از ملوک قاهره یکی اوست. اصل آن دو بیت شعر بود و در عرب و عجم امثال این بسیار است، امّا برین یکی اختصار کردیم.

پس پادشاه را از شاعر نیک چاره نیست که بقاءِ اسم او را ترتیب کند و ذکر او را در دواوین و دفاتر مثبت گرداند، زیرا که چون پادشاه بامری که ناگزیر است مأمور شود از لشکر و گنج و خزینهٔ او آثار نماند و نام او به سبب شعر شاعران جاوید بماند. شریف

مجلدی گرگانی گوید:

از آن چندان نعیم این جهانی که ماند از آل ساسان و آل سامان
ثنای رودکی ماندست و مدحت نوای باربد مانده است و دستان

و اسامی ملوک عصر و سادات زمان بنظم رائع و شعر شائع این جماعت باقی است چنانکه اسامی آل سامان به: استاد ابو عبدالله جعفر بن محمد الرودکی و ابوالعباس الربنجنی و ابوالمثل البخاری و ابو اسحق جویباری و ابوالحسن اغچی و طحاوی و خبّازی نشابوری و ابوالحسن الکسائی. امّا اسامی ملوک آل ناصرالدین باقی ماند بامثال: عنصری و عسجدی و فرخّی و بهرامی وزینتی و بزرجمهر قاینی و مظفری و منشوری و منوچهری و مسعود و قصّار امّی و ابو حنیفهٔ اسکاف و راشدی و ابو الفرج رونی و مسعود سعد سلمان و محمّد ناصر و شاه بورجا و احمد خلف و عثمان مختاری و مجدود السنائی. امّا اسامی آل خاقان باقی ماند به: لؤلؤی و کلایی و نجیبی فرغانی و عمعق بخاری و رشیدی سمرقندی و نجّار ساغرجی و علی بانیذی و پسر درغوش و علی سپهری و جوهری و سغدی و پسر تیشه و علی شطرنجی. امّا اسامی آل بویه باقی ماند به: استاد منطقی و کیاغضائری و بُندار. امّا اسامی آل سلجوق ماند به: فرخّی گرگانی و لامی دهستانی و جعفر همدانی و درفیروز فخری و برهانی و امیر معزّی و ابوالمعلی رازی و عمید کمالی و شهابی. امّا اسامی ملوک طبرستان باقی ماند به: قمری گرگانی و رافعی نشابوری و کفائی گنجهٔ و کوسه فالی و پور کله و اسامی ملوک غور آل شنسب «خلد

الله ملکهم» باقی ماند به: ابوالقاسم رفیعی و ابوبکر جوهری و کمترین بندگان نظامی عروضی و علی صوفی و دواوین این جماعت ناطق است بکمال و جمال و آلت و عدّت و عدل و بذل و اصل و فضل و رای و تدبیر و تأیید و تأثیر. این پادشاهان ماضیه و این مهتران خالیه نورالله مضاجعهم و وسع علیهم مواضعهم[1] بسا مهتران که نعمت پادشاهان خوردند و بخشش‌های گران کردند و برین شعراء مفلق سپردند که امروز از ایشان آثار نیست و از خدم و حشم ایشان دیار نه و بسا کوشک‌های منقّش و باغ‌های دلکش که بنا کردند و بیاراستند که امروز با زمین هموار گشته است و با مفازات و اودیه برابر شده (مصنف گوید).

بسا کاخا که محمودش بنـا کـرد که از رفعت همی با مه مـرا کـرد
نبینی زان همه یک خشت بر پای مدیح عنصری ماندست بر جـای

و خداوند عالم علاءالدنیا والدین ابو علی الحسین بن الحسین اختیار امیر المؤمنین که زندگانیش دراز باد و چتر دولتش منصورا! بکین خواستن آن دو ملک شهریار شهید و ملک حمید بغزنین رفت و سلطان بهرامشاه از پیش او برفت بر درد آن دو شهید که استخفاف‌ها کرده بودند و گزاف‌ها گفته، شهر غزنین را غارت فرمود و عمارات محمودی و مسعودی و ابراهیمی خراب کرد و مدایح ایشان بزر همی‌خرید و در خزینه همی‌نهاد. کسی را زهرهٔ آن نبودی

[1] خدااُن کی قبروں کو نور سے روشن کرے اور فراخی بخشے۔

که در آن لشکر یا در آن شهر ایشان را سلطان خواند و پادشاه خود از شاهنامه بر می‌خواند آنچه ابوالقاسم فردوسی گفته بود:

چو کودک لب از شیر مادر بشست ز گهواره محمود گوید نخست:
بتن زنده پیل و بجان جبرئیل بکف ابر بهمن بدل رود نیل
جهاندار محمود شاه بزرگ بآبشخور آرد همی میش و گرگ

همه خداوندان خرد دانند که اینجا حشمت محمود نمانده بود، حرمت فردوسی بود و نظم او و اگر سلطان دانسته بودی همانا که آن آزاد مرد را محروم و مأیوس نگذاشتی.

حکایت

چنین آورده‌اند که نصر بن احمد که واسطهٔ عقد آل سامان بود و اوج دولت آن خاندان ایام ملک او بود و اسباب تمنّع و علل ترّفع در غایت ساختگی بود، خزاین آراسته و لشکر جرّار و بندگان فرمانبردار. زمستان به دارالملک بخارا مقام کردی و تابستان به سمرقند رفتی یا به شهری از شهرهای خراسان. مگر یک سال نوبت هری بود. به فصل بهار به بادغیس بود که بادغیس خرّم‌ترین چراخوارهای خراسان و عراق است. قریب هزار ناو هست پر آب و علف که هر یکی لشکری را تمام باشد. چون ستوران بهار نیکو بخوردند و به تن و توش خویش باز رسیدند و شایسته میدان و حرب شدند، نصر بن احمد روی به هری نهاد و به در شهر به مرغ سپید فرود آمد و لشکر گاه بزد، بهار گاه بود، شمال روان شد و

میوه‌های مالن و کروخ در رسید که امثال آن در بسیار جای‌ها به دست نشود و اگر شود بدان ارزانی نباشد. آنجا لشکر بر آسود و هوا خوش بود و باد سرد و نان فراخ و میوه‌ها بسیار و مشمومات فراوان و لشکری از بهار و تابستان بر خورداری تمام یافتند از عمر خویش و چون مهرگان درآمد و عصیر در رسید و شاه سفرم و حماحم و اقحوان در دم شد، انصاف از نعیم جوانی بستدند و داد از عنفوان شباب بدادند. مهرگان دیر در کشید و سرما قوّت نکرد و انگور در غایت شیرینی رسید و در سواد هری صد و بیست لون انگور یافته شود هر یک از دیگری لطیف‌تر و لذیذتر و از آن دو نوع است که در هیچ ناحیت ربع مسکون یافته نشود: یکی پرنیان و دوم کلنجری تُنک پوست، خردتکس بسیار آب؛ گویی که در او اجزای ارضی نیست. از کلنجری خوشه‌ای پنج من و هر دانه‌ای پنج درم سنگ بیاید، سیاه چون قیر و شیرین چون شکر و ازش بسیار بتوان خورد به سبب مائیتی که در او است و انواع میوه‌های دیگر همه خیار. چون امیر نصر بن احمد مهرگان و ثمرات او بدید، عظیمش خوش آمد. نرگس رسیدن گرفت. کشمش بیفکندند در مالن و منقّی بر گرفتند و آونگ ببستند و گنجینه‌ها پُر کردند. امیر با آن لشکر بدان دو پاره دیه درآمد که او را غوره و درواز خوانند. سر اهایی دیدند هر یکی چون بهشت اعلی و هر یکی را باغی و بستانی در پیش بر مهب شمال نهاده. زمستان آنجا مقام کردند و از جانب سجستان نارنج آوردن گرفتند و از جانب مازندران ترنج رسیدن گرفت. زمستانی

گذاشتند در غایت خوشی. چون بهار درآمد اسبان به بادغیس فرستادند و لشکر گاه به مالن به میان دو جوی بردند و چون تابستان درآمد میوه‌ها در رسید؛ امیر نصر بن احمد گفت: "تابستان کجا رویم که از این خوشتر مقامگاه نباشد، مهرگان برویم" و چون مهرگان درآمد، گفت: "مهرگان هری بخوریم و برویم". و همچنین فصلی به فصل همی‌انداخت تا چهار سال بر این برآمد، زیرا که صمیم دولت سامانیان بود و جهان‌آباد و ملک بی‌خصم و لشکر فرمانبردار و روزگار مساعد و بخت موافق. با این همه ملول گشتند و آرزوی خانمان برخاست. پادشاه را ساکن دیدند، هوای هری در سر او و عشق هری در دل او. در اثنای سخن هری را به بهشت عدن مانند کردی، بلکه بر بهشت ترجیح نهادی و از بهار چین زیادت آوردی. دانستند که سر آن دارد که این تابستان نیز آنجا باشد. پس سران لشکر و مهتران ملک به نزدیک استاد ابو عبدالله الرّودکی رفتند و از ندماءِ پادشاه هیچکس محتشم‌تر و مقبول‌القول‌تر از او نبود. گفتند: "پنج هزار دینار ترا خدمت کنیم، اگر صنعتی بکنی که پادشاه از این خاک حرکت کند که دل‌های ما آرزوی فرزند همی‌برد و جان ما از اشتیاق بخارا همی‌برآید". رودکی قبول کرد که نبض امیر بگرفته بود و مزاج او بشناخته. دانست که به نثر با او در نگیرد، روی بنظم آورد و قصیده‌ای بگفت و بوقتی که امیر صبوح کرده بود درآمد و به جای خویش بنشست و چون مطربان فرو داشتند، او چنگ بر گرفت و در پردهٔ عشّاق این قصیده آغاز کرد:

بوی جوی مولیان آید همی بوی یار مهربان آید همی

پس فروتر شود و گوید:

ریگ آموی و درشتی راه او زیر پایم پرنیان آید همی
آب جیحون از نشاط روی دوست خنگ ما را تا میان آید همی
ای بخارا شاد باش و دیر زی میر زی تو شادمان آید همی
میر ماه است و بخارا آسمان ماه سوی آسمان آید همی
میر سرو است و بخارا بوستان سرو سوی بوستان آید همی

چون رودکی بدین بیت رسید، امیر چنان منفعل گشت که از تخت فرود آمد و بی‌موزه پای در رکاب خنگ نوبتی آورد و روی به بخارا نهاد، چنانکه رانین و موزه تا دو فرسنگ در پی امیر بردند به برونه و آنجا در پای کرد و عنان تا بخارا هیچ باز نگرفت و رودکی آن پنج هزار دینار مضاعف از لشکر بستد و شنیدم به سمرقند به سنهٔ اربع و خمسمائة از دهقان ابو رجا احمد بن عبدالصمد العابدی که گفت: "جدّ من ابو رجا حکایت کرد که چون در این نوبت رودکی به سمرقند رسید، چهار صد شتر زیر بنهٔ او بود" و الحق آن بزرگ بدین تجمّل ارزانی بود که هنوز این قصیده را کس جواب نگفته است که مجال آن ندیده‌اند که از این مضایق آزاد توانند بیرون آمد و از عذب گویان و لطیف طبعان عجم یکی امیرالشعرا معزّی بود که شعر او در طلاوت و طراوت به غایت است و در روانی و عذوبت بنهایت، زین‌الملک ابو سعد هندو بن محمد بن هندو الاصفهانی از وی درخواست کرد که: "آن قصیده را جواب

گوی!" گفت: "نتوانم" الحاح کرد. چند بیت بگفت که یک بیت از آن بیت‌ها این است:

رستم از مازندران آید همی زین ملک از اصفهان آید همی

همه خردمندان دانند که میان این سخن و آن سخن چه تفاوت است؟! و که تواند گفتن بدین عذبی که او در مدح همی‌گوید در این قصیده:

آفرین و مدح سود آید همی گر بگنج اندر، زیان آید همی

و اندر این بیت از محاسن هفت صنعت است: اول مطابق، دوم متضاد، سوم مردّف، چهارم بیان مساوات، پنجم عذوبت، ششم فصاحت، هفتم جزالت و هر استادی که او را در علم شعر تبحّری است چون اندکی تفکّر کند، داند که من در این مصیبم والّسلام.

حکایت

استاد ابوالقاسم فردوسی از دهاقین طوس بود، از دیهی که آن دیه را باژ خوانند و از ناحیت طبران است، بزرگ دیهی است و از وی هزار مرد بیرون آید. فردوسی در آن دیه شوکتی تمام داشت چنانکه بدخل آن ضیاع از امثال خود بی‌نیاز بود و از عقب یک دختر بیش نداشت و شاهنامه بنظم همی‌کرد و همه امید او آن بود که از صلهٔ آن کتاب جهاز آن دختر بسازد. بیست و پنج سال در آن کتاب مشغول شد که آن کتاب تمام کرد و الحقّ هیچ باقی نگذاشت و سخن را بآسمان علیین برد و در عذوبت بماءِ معین رسانید و کدام طبع را قدرت آن

باشد که سخن را بدین درجه رساند که او رسانیده است، در نامه‌ای که زال همی‌نویسد بسام نریمان بمازندران، در آن حال که با رودابه دختر شاه کابل پیوستگی خواست کرد؟:

یکی نامه فرمود نزدیک سام　　سراسر درود نوید و خرام
نخست از جهان آفرین یاد کرد　　که هم داد فرمود و هم داد کرد
و زو باد بر سام نیرم درود　　خداوند شمشیر و کوپال و خود
چماننده چرمه هنگام گرد　　چراننده کرکس اندر نبرد
فزاینده باد آوردگاه　　فشانندهٔ خون ز ابر سیاه
بمردی هنر در هنر ساخته　　سرش از هنر گردن افراخته

من در عجم سخنی بدین فصاحت نمی‌بینم و در بسیاری از سخن عرب هم! چون فردوسی شاهنامه تمام کرد، نسّاخ او علی دیلم بود و راوی ابو دُلف و وشکرده حُیی قُتیبه که عامل طوس بود بجای فردوسی ایادی داشت، نام این هر سه بگوید:

ازین نامه از نامداران شهر　　علی دیلم و بو دُلف راست بهر
نیامد جز احسنتشان بهره‌ام　　بکفت اندر احسنتشان زهره‌ام
حُیی قُتیبه است آزادگان　　که از من نخواهد سخن رایگان
نیم آگاه از اصل و فرع خراج　　همی غلطم اندر میان دواج

حُیی قُتیبه عامل طوس بود و اینقدر او را واجب داشت و از اخراج فرو نهاد، لاجرم نام او تا قیامت بماند و پادشاهان همی‌خوانند. پس شاهنامه علی دیلم در هفت مجلّد نبشت و فردوسی بو دُلف را بر گرفت و روی بحضرت نهاد بغزنین و بپایمردی خواجهٔ بزرگ

احمد حسن کاتب عرضه کرد و قبول افتاد و سلطان محمود از خواجه منّت‌ها داشت. امّا خواجهٔ بزرگ منازعان داشت که پیوسته خاک تخلیط در قدح جاه او همی‌انداختند، محمود با آن جماعت تدبیر کرد که فردوسی را چه دهیم؟ گفتند: "پنجاه هزار درم" و این خود بسیار باشد که او مردی رافضی است و معتزلی مذهب و این بیت بر اعتزال او دلیل کند که او گفت:

به بینندگان آفریننده را نبینی مرنجان دو بیننده را

و بر رفض او این بیت‌ها دلیل است که او گفت:

خردمند گیتی چو دریا نهاد بر انگیخته موج ازو تند باد
چو هفتاد کشتی درو ساخته همه بادبان‌ها بر افراخته
میانه یکی خوب کشتی عروس بر آراسته همچو چشم خروس
پیمبر بدو اندرون با علی همه اهل بیت نبی و وصی
اگر خلد خواهی بدیگر سرای بنزد نبی و وصی گیر جای
گرت زین بد آید گناه من‌ست چنین دان و اینراه راه من‌ست
برین زادم و هم برین بگذرم یقین دان که خاک پی حیدرم

و سلطان محمود مردی متعصّب بود، دور این تخلیط بگرفت و مسموع افتاد در جمله بیست هزار درم بفردوسی رسید. به غایت رنجور شد و بگرمابه رفت و بر آمد، فُقّاعی بخورد و آن سیم میان حمّامی و فُقّاعی قسم فرمود. سیاست محمود دانست، بشب از غزنین برفت و بهری بدکان اسمعیل ورّاق پدر ازرقی فرود آمد و شش ماه در خانهٔ او متواری بود، تا طالبان محمود بطوس رسیدند و باز گشتند

و چون فردوسی ایمن شد، از هری روی بطوس نهاد و شاهنامه بر گرفت و بطبرستان شد به نزدیک سپهبد شهریار که از آل باوند در طبرستان پادشاه او بود و آن خاندانی است بزرگ، نسبت ایشان بیزدگرد شهریار پیوندد. پس محمود را هجا کرد در دیباچه بیتی صد و بر شهریار خواند و گفت: "من این کتاب را از نام محمود بنام تو خواهم کردن که این کتاب همه اخبار و آثار جدّان تست". شهریار او را بنواخت و نیکویی‌ها فرمود و گفت: "یا استاد! محمود را بر آن داشتند و کتاب ترا بشرطی عرضه نکردند و ترا تخلیط کردند و دیگر تو مرد شیعیی و هر که تولّی بخاندان پیامبر کند او را دنیاوی به هیچ کاری نرود که ایشان را خود نرفته است. محمود خداوندگار من است، تو شاهنامه بنام او رها کن و هجو او بمن ده تا بشویم و ترا اندک چیزی بدهم. محمود خود ترا خواند و رضای تو طلبد و رنج چنین کتاب ضایع نماند" و دیگر روز صد هزار درم فرستاد و گفت: "هر بیتی بهزار درم خریدم، آن صد بیت بمن ده و با محمود دل خوش کن". فردوسی آن بیت‌ها فرستاد. بفرمود تا بشستند. فردوسی نیز سواد بشست و آن هجو مندرس گشت و از آن جمله این شش بیت بماند:

مرا غمز کردند کآن پـر سـخن　　بمهـر نبـی و علـی شـد کهـن
اگر مهرشان من حکایـت کـنم　　چو محمود را صد حمایت کـنم
پرســـتار زاده نیایـــد بکـــار　　و گر چنـد باشـد پـدر شـهریار
ازین در سخن چند رانم همی؟　　چـو دریـا کرانـه نـدانم همـی

بنیکـــی نبـــد شـــاه را دســـتگاه و گر نه مرا بـر نشـاندی بگـاه
چو انـدر تبـارش بزرگـی نبـود ندانســـت نـــام بزرگـــان شـــنود

الحقّ نیکو خدمتی کرد شهریار مر محمود را و محمود ازو منّت‌ها داشت. در سنهٔ اربع عشرهٔ و خمسمائهٔ[1] بنشابور شنیدم از امیر معزّی که او گفت: "از امیر عبدالرّزّاق شنیدم بطوس که او گفت: وقتی محمود به هندوستان بود و از آنجا باز گشته بود و روی بغزنین نهاده، مگر در راه او متمردی بود و حصاری استوار داشت و دیگر روز محمود را منزل بر در حصار او بود. پیش او رسولی بفرستاد که فردا باید که پیش آیی و خدمتی بیاری و بارگاه ما را خدمت کنی و تشریف بپوشی و باز گردی. دیگر روز محمود بر نشست و خواجهٔ بزرگ بر دست راست او همی‌راند که فرستاده باز گشته بود و پیش سلطان همی‌آمد. سلطان با خواجه گفت: "چه جواب داده باشد"؟ خواجه این بیت فردوسی بخواند:

اگر جز بکـام مـن آیـد جـواب من و گرز و میدان و افراسـیاب

محمود گفت: "این بیت کراست که مردی ازو همی‌زاید"؟ گفت: "بیچاره ابوالقاسم فردوسی راست که بیست و پنج سال رنج برد و چنان کتابی تمام کرد و هیچ ثمره ندید". محمود گفت: "سره کردی که مرا از آن یاد آوری که من از آن پشیمان شده‌ام. آن آزاد مرد از من محروم ماند، بغزنین مرا یاد ده تا او را چیزی فرستم". خواجه چون

[1] ۵۱۴

بغزنین آمد بر محمود یاد کرد. سلطان گفت: "شصت هزار دینار ابوالقاسم فردوسی را بفرمای تا به نیل دهند و با شتر سلطانی بطوس برند و ازو عذر خواهند". خواجه سال‌ها بود تا درین بند بود. آخر آن کار را چون زر بساخت و اشتر گسیل کرد و آن نیل به سلامت به شهر طبران رسید، از دروازهٔ رود بار اشتر در می‌شد و جنازهٔ فردوسی بدروازهٔ رزان بیرون همی‌بردند. در آن حال مذکری بود در طبران. تعصب کرد و گفت: "من رها نکم تا جنازهٔ او در گورستان مسلمانان برند که او رافضی بود" و هر چند مردمان بگفتند با آن دانشمند در نگرفت. درون دروازه باغی بود ملک فردوسی، او را در آن باغ دفن کردند. امروز هم در آنجاست و من در سنهٔ عشر و خمسمائة[1] آن خاک را زیارت کردم. گویند از فردوسی دختری ماند سخت بزرگوار، صلت سلطان خواستند که سپارند، قبول نکرد و گفت: "بدان محتاج نیستم". صاحب برید بحضرت بنوشت و بر سلطان عرضه کردند. مثال داد که آن دانشمند از طبران برود بدین فضولی که کرده است و خانمان بگذارد و آن مال بخواجه ابوبکر اسحق کرّامی دهند تا رباط و چاه که بر سر راه نشابور و مرو است در حدّ طوس، عمارت کند. چون مثال به طوس رسید، فرمان را امتثال نمودند و عمارت رباط و چاه از آن مال است.

---

[1] ۵۱۰

جہانگیر نامہ یا توزک جہانگیری

مغل بادشاہ جہانگیر نے اپنی سوانح حیات کو ۱۶۰۵ء میں لکھنا شروع کیا۔ جہانگیر نے اپنے جدّامجد امیر تیمور اور ہندوستان میں مغل سلطنت کے بنیان گزار اور اپنے پر دادا ظہیر الدین بابر کی تقلید میں اپنی سوانح لکھی۔ جہانگیر نے ۲۲ سال بادشاہت کی مگر اپنی صحت کی خرابی کے باعث اس نے اس روداد کو ۱۶۲۲ء تک ہی لکھا اور باقی کا کام اپنے ایک درباری معتمد خان کے سپرد کیا، لیکن معتمد خان بھی صرف دو سال تک کے واقعات قلمبند کر سکا اور کسی نامعلوم وجہ سے کتاب لکھنا بند کر دیا۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۴۸ء) محمد ہادی نے جہانگیر کے ۱۹ویں سال جلوس سے لے کر اس کی وفات تک کی تاریخ رقم کی۔

جہانگیر مغل شہنشاہ اکبر کا بیٹا تھا، بڑی ہی دعاؤں سے پیدا ہوا تھا۔ اکبر خود پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن وہ ایک علم پرور بادشاہ تھا، اس کے دور میں ہندوستان میں فارسی زبان و ادب اپنے کمال کو پہنچا، لہٰذا اس نے اپنے جانشین کی تعلیم کے لئے بڑے ہی معقول انتظام کئے۔ اس وقت کے چنندہ اساتذہ کو اس کام پر مأمور کیا۔ ملک الشعراء فیضی فیاضی، مولانا میر کلاں ہروی محدث، قطب الدین خان، سید صدر جہان اور عبدالرحیم خانخانان وغیرہ اس کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ ان فاضل اساتید کی محنت و کاوشوں کا نتیجہ یہ ہوا کے وہ علم و سخن کے آسمان پر ماہتاب بن کر چمکا۔ جہانگیر کو فارسی زبان کا ایک بے مثل انشا پرداز تسلیم کیا جاتا ہے۔ توزک جہانگیری جو اس کا علمی شاہکار ہے سادگی، صفائی، بے تکلفی اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے مثل ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کی رائے میں توزک جہانگیری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف اور دل آویز طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ بڑے بڑے انشا پرداز نہیں کرسکے۔ (بزم تیموریہ، ص: ۲)

جہانگیر نے اپنی توزک کا آغاز اس طرح کیا ہے:

"از عنایات بی‌عنایات الهی یک ساعت نجومی از روز پنجشنبه جمادی‌الثانی هزار و چهارده هجری گذشته در دارالخلافهٔ آگره در سن سی و هشت سالگی بر تخت سلطنت جلوس نمودم". (توزک جهانگیری، تصحیح سر سید، ص ۱)

ادبی لحاظ سے جہانگیر نامہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جہانگیر نے متن کے درمیان میں فارسی کے مشہور و معروف شعراء کے اشعار سے اپنی نثر میں چاشنی بکھیری ہے، جیسے آگرہ کے ضمن میں مسعود سعد سلمان کے قصیدہ کا ایک شعر نقل کیا ہے:

حصار آگره پیدا شد از میانه گرد
بسان کوه بر و بارهای چون کهسار

جہانگیر نے اپنے رواداری کے نظریہ کو ظاہر کرنے کے لئے بعض جگہ میں تصوف کے اشعار بھی لکھے ہیں:

هر قوم راست راهی دینی و قبله گاهی
من قبله راست کردم بر سمت کج کلاهی
(ایضاً، ص ۸۱)

جہانگیر کا ادبی ذوق نہایت بلند تھا، جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے۔ جہانگیر کو نہ صرف نثر میں کمال تھا بلکہ اسے شعر فہمی میں بھی

ملکہ حاصل تھا، اسی طرح کا ایک واقعہ توزک میں بیان کیا ہے:

"تاریخ‌ها به جهت جلوس من گفته بودند همه را نوشتن خوش نیامد به همین تاریخی که مکتوب خان داروغه کتابخانه و نقّاش خانه که از بنده‌های قدیم من است گفته بود "اکتفا نمودم". (توزک جهانگیری، تصحیح سر سید، ص ۵)

جیسا کہ ہم سب واقف ہیں کہ اکبر ناخواندہ شخص تھا، لیکن وہ اپنے ذہن و فہم سے ایک دانشمند انسان تھا اور یہی سبب ہے کہ اس کے دربار کی چمک کے آگے ایران و خراسان کے دربار پھیکے تھے، اور ایران و سینٹرل ایشیاء سے بڑے بڑے علماء، فضلاء، شعراء اور ادباء وغیرہ ہجرت کرکے اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ جہانگیر نے اس کی ناخواندگی اور دانائی کے متعلق توزک میں ذکر کیا ہے:

"پدر من در اکثر اوقات با دانایان هر دین و مذهب صحبت می‌داشتند، خصوصاً با پندتیان هندو بانکه امی بودند از کثرت مجالست با دانایان و ارباب فضل در گفتگوها چنان ظاهر می‌شدکه هیچ کس به امی بودن ایشان نمی برد و قایق نظم و نثر چنان می‌رسیدند که ما فوقی بر آن متصور نبود". (ایضاً، ص ۱۴)

مغل بادشاہوں کی مادری زبان ترکی تھی لیکن انہیں فارسی زبان و ادب سے والہانہ محبت تھی اور ان کی خدمات اس زبان کے لئے نا قابل فراموش ہیں۔ دربار کا کاروبار تو فارسی زبان میں ہوتا ہی تھا۔ صرف بابر کو چھوڑ کر باقی سبھی شہزادوں اور شہزادیوں نے جو بھی علمی و ادبی کام کئے وہ سب فارسی زبان میں ہیں۔ جہانگیر نے توزک میں اپنے بھائی دانیال کا ایک شعر نقل کیا ہے:

از شوق شکاری تو شود جان تر و تازه
بـر هـر کـه خـورد تیر یکـه و جنـازه
(ایضاً، ص ۱۵)

جہانگیر جب کسی مقام کا ذکر کرتا ہے تو ایک محقق جغرافیہ داں کی مانند ایسی تمام معلومات فراہم کراتا ہے، شہروں کی تاریخ، وہاں کے ساکنان کے رسم و رواج وغیرہ با تفصیل بیان کرتا ہے، جیسے توزک میں ایک جگہ آگرہ شہر کے بارے میں لکھا ہے:

"آبادانی این مامور بر هر دو طرف دریای مذکور واقع خده جانب غرب رویه آنکه کثرت آبادانی بیشتر دارد. دوره آن هفت کروه دور آبادانی آن طرف آب بر جانب شرقی واقع است، طول یک کروه عرض نیم کروه". (توزک جهانگیری، تصحیح سر سید، ص ۲)

اس طرح ہم توزک جہانگیری کی ادبی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب ہندوستانی فارسی ادب میں ایک شاہکار کی اہمیت رکھتی ہے۔

جهانگیر نامه[1]

روز یکشنبه غریب واقعهٔ روی نمود. شاه شجاع در عمارات دولتخانه بازی می‌کرد و اتفاقاً دریچه بود به جانب دریا پرده بر روی آن افگنده و دروازه را نبسته بودند. شاهزاده بازی کنان به جانب دریچه رفت که تماشا کند به مجرد رسیدن سرنگون بزیر افتاد. قضا را پلاسی ته کرده در زیر دیوارها نهاده بود فراشی متصل آن نشسته سر شاهزاده بر پلاس و پاها بر پشت و دوش فراش خورده بزمین افتاد با آنکه ارتفاعش هفت ذرع است چون حمایت ایزد جل شانه حافظ و ناصر بود وجود فراش و پلاس واسطهٔ حیات شد العیاذ بالله اگر چنین نبودی کار بدشواری کشیدی. در آنوقت رای مان سردار پیادهای خدمت در پای جهروکه استاده بود فی‌الفور دویده آن قرةالعین خلافت را برداشت و در آغوش گرفته متوجهٔ بالا شد در آنحالت همین قدر پرسید که مرا کجا می‌بری؟ او عرض کرد که بملازمت حضرت دیگر ضعف مستولی شد و از حرف زدن ماند.

---

۱. از انتخاب جہانگیر نامہ (خواجہ ابوالحسن) نصاب جدید فارسی، باہتمام حکیم ذکی احمد خان، جید پریس، بلیماران، دہلی۔

درین وقت آنحضرت باستراحت مشغول بودند از استماع این خبر موحش سراسیمه از جا جسته بیرون شتافتند آن نور حدقهٔ خلافت را در آغوش شفقت گرفته زمان ممتد محو این موهبت مجددهٔ الهی بوده سجداتِ شکر بتقدیم رسانیدند و گروها گروه از فقرا و اربابِ استحقاق که در شهر و نواحی توطن داشتند از وجه تصدقات و خیرات کام دل بر گرفتند در واقع طفل چهار ساله از جائی که ده گز شرعی ارتفاع داشته باشد سرنگون بزیرِ افتد و اصلاً غبار آسیبی بر اعضایش نه نشیند جای حیرت است و از غرائب آنکه سه چهار ماه پیش ازین واقعه جوتک رای منجّم که در مهارتِ فنِ نجوم از پیش قدمان این طائفه است بعرض اشرف رسانیده بود که از زائچه طالع شاهزاده چنین استنباط شده که این سه چهار ماه برو گرانست ویمکن که از جای مرتفع بزیر افتد و غبار آسیبی بر دامن حیاتش نه نشیند و چون مکرر احکام او بصحت پیوسته همواره این توهم پیرامون خاطر اشرف می‌گشت و درین راه‌های خطرناک و گریوهای دشوار گذار یک چشم زدن از آن نونهال چمن اقبال غافل نمی بودند تا به کشمیر نزول اتفاق نه افتاد چون این سانحه ناگزیر بوده، آنکه‌ها و دایه‌ها در چنین وقتی غافل شدند. الله الحمد که بخیر گذشت. چون از دلاور خان کاکر خدمت شایسته بظهور آمده بود بمنصب چهار هزاری ذات و سه هزار و پانصد سوار سرافرازی یافت و پسران او را نیز به مناصب مناسب امتیاز بخشیدند. روز چهارشنبه به قصد شکار کبک به موضع چار دره که وطن حیدر بیگ است

سوار شد. الحق سرزمین خوش و سیرگاه دل کش است آب‌های روان و درخت‌های چنار عالی دارد. در سر راه درختی است، هل تهل، نام که چون یکی از شاخهای آن را گرفته بجنبانند تمام درخت و در حرکت می‌آید عوام را اعتقاد آنکه این حرکت مخصوص همه درخت است اتفاقاً در دیهه مذکور درخت دیگر بنظر درآمد که به همان دستور متحرک بود معلوم شد که این حرکت لازم نوع درخت است نه مخصوص یک درخت و در موضع راول‌پور از شهر دو و نیم کروه بر سمت هندوستان درخت چناری واقع است میان سوخته، هفتاد کس در آن میان راست استادند. درین ولا سید بایزید خان بخاری فوجدار سرکار بهکره به صاحب صوبگی تته و منصب دو هزاری ذات و یک هزار و پانصد سوار سر بلندی یافت و علم نیز ضمیمه سائر مراحم گشت. درین تاریخ از عرائض سپه‌سالار خانخانان و منهیان صوبه دکن به مسامع اقبال رسید که عنبر سیاه بخت باز قدم از سرحد ادب بیرون نهاده فتنه فساد که لازمه سرشت رشت آن بَد اختر است بنیاد کرده و ازین که موکب منصور به ولایت دور دست نهضت فرموده فرصت را مغتنم شمرده عهد و پیمانی که با بندهای پادشاهی بسته بود شکسته دست تصرف بحدود متعلقه پادشاهی دراز ساخته است امید که درین زودی بشامت اعمال ناپسندیدهٔ خویش گرفتار آید و چون سپه‌سالار التماس خزانه نموده بود حکم شد که متصدیان دارالخلافه اکبرآباد مبلغ بیست لکه روپیه خزانه به لشکر ظفر قرین راهی سازند مقارن این حال خبر رسید که

امرای تهانجات را گذاشه نزد داراب خان فراهم آمده‌اند و برگیان دکن بر دور لشکر فوج فوج و جوق جوق در سیر و دوراند و قزاقی می‌نمایند و خنجرخان در احمد نگر متحصن شده تا حال دو سه دفعه بندهای درگاه را با مقهوران سباه بخت مبارزت اتفاق افتاد و هر مرتبه مخالفان شکست خورده حمعی را بکشتن دادند در مرتبهٔ آخر داراب خان جوانان خوش اسپه همراه گرفته بر بنگاه مقهوران تاخت و جنگ عظیم در پیوست و مخالفان شکست خورده رو بوادی فرار نهادند و بنگاه آنها بتاراج رفت و لشکر منصور سالماً و غانماً بار دوم مراجعت نمود لیکن غنیم مداخل رسد غله را مسدود دارد و از نارسیدن غله به لشکر ظفر قرین عشرت و گرانی عظیم بهم رسید کار بصعوبت کشیده و چار وازبون شده دولت‌خواهان کنگاش در آن دیدند که از کریوهٔ روهنکره فرود آمده در پایان گهات توقف باید نمود تا بنجاره و رسد غله به سهولت می‌رسیده باشد و سپاه محنت و تعب نکشند ناگزیر در بالاپور معسکر آراستند. معهزا مقهوران شوخی و شلائینی نمودند در اطراف اردو نمایان شدند و راجه نرسنگه دیو به اعتضاد اقبال بی‌زوال به مدافعهٔ غنیم همت گماشته بسیاری را بقتل آورده و منصور نام حبشی که از سران سپاه مخالف بود. زنده بدست افتاد. هرچه خواستند که بر فیل اندازند پای جهالت افشرده راضی نشد راجه نرسنگه دیو اشاره کرد که سرش از تن جدا کنند امید که فلک کینه گذار سزای کردار ناهنجار در دامنِ روزگار رتبه کاران برگشته بخت نهد. از غرائب وقائع که درین‌ولا به ظهور

آمد، دعوی عبدالوهاب پسر حکیم علی است. به جمعی از سادات متوطّن لاهور و محجوب شدن اُو از خجلت کذب تفصیل این مجمل آنکه قاضی و میر عدل بعرض رسانید که عبدالحکیم به جمعی از سادات هشتاد هزار روپیه دعوی می‌نماید و خطی به مهر قاضی نورالله ظاهر ساخته که پدر من بطریق امانت به سید ولی پدر اینها سپرده و سادات منکراند. حکیم‌زاده در گواه در دارالعدالت‌العالیه بر طبق آن گزرانیده و سادات یکی از آنها را جرح نمودند و او گواه ثالث آورده دعوی خود را به ثبوت شرعی رسانیده باوجود این سادات مُنکراند. اگر حکم شود حکیم‌زاده سوگند مصحف خورده حق خود از ایشان بگیرد حکم اشرف شد که آنچه مطابق احکام شریعت است بعمل آرند سادات شب بمنزل کمترین آمده اضطراب و بی‌تابی بسیار ظاهر ساختند که دعوی حکیم از فروغ صدق بهره ندارد و بر ما ستم می‌شود و معامله کلی است و ممکن نیست که از عهدهٔ وصول توانیم بر آمد بغیر از این که کشته شویم نتیجه بر آن مرتب نخواهد شد. این خیر خواه خلق الله روز دیگر بعرض اقدس رسانید که سادات شب بکلیه این فدوی آمده خضوع و خشوع بسیار ساختند. چون معامله کلی است هر چند در تحقیق آن بیشتر تامل و تفحص بکار رود و بنده‌های حقیقت شناس غور فرمایند، بهتر خواهد بود حکم شد که موتمن‌الدوله‌العالیه آصف خان در تحقیق این قضیه نهایت دقت و دور اندیشی بکار برده نوعی نماید که اصلاً مظنّهٔ شک و شبه نماند به مجرد شنیدن این حرف حکیم‌زاده را دل از

دست افتاد هر چند آصف خان به طلب او مردم گماشت از آنجا که خائن خائف می‌باشد خود را ظاهر نساخت و چندی از آشنایان را شفیع انگیخته حرف آشتی بمیان آورد. غرض آنکه اگر سادات باز پرس این قضیه را به آصف خان نیندازند خط آن را می‌سپارم که بعد ازین مرا بایشان حقی و دعوی نه باشد تا آنکه خط آن را به یکی از دوستان خود سپرد این حرف به آصف خان رسید او جبراً او را حاضر ساخته در مقام پرسش درآمدند ناگزیر اعتراف نمود که این خط را یکی از ملازمان من ساخته و مرا از راه بُرده خجلت زدهٔ جاوید گردانید بهمین مضمون نوشته بخط خود سپرد چون آصف خان حقیقت را بعرض همایون رسانید منصب و جاگیر حکیم عبدالوهاب را تغیر فرموده از پایهٔ اعتبار انداختند و سادات را بعزت و آبرو خلعت داده رخصت لاهور فرمودند. درین ولا سریر آرای اسرادق عفت پادشاه بانو حجله نشین ملک بقا گشت و الم این واقعهٔ دل خراش بر خاطر خود پسند گرانگذشت از غرائب آنکه جوتک رای منجم دو ماه پیش ازین براقم حروف از ظهور این سانحه خبر داده بود درین تاریخ شیخ احمد سرهندی را که از خود آرائی و بی‌صرفه گوئی روزی چند محبوس زندان به مکافات بود بحضور طلب داشته حکم اطلاق فرمودند خلعت و هزار روپیه حرجی لطف نموده در رفتن و بودن مختار گردانیدند و از روی انصاف معروض داشت که این تنبیه و تادیب در حقیقت هدایتی و کفایتی بود، نفس‌الامر اختیار من آن است که روزی چند در خدمت پسر برده

تدارک تقصیرات گذشته نمایم. روزی در مجلس بهشت آئین از احوال شاهزاده مرحوم سلطان دانیال مذکور می‌شد. سلسلهٔ سخن به فتح احمدنگر و سوانح ایام محاصره آن کشید. خان جهان غریب نقلی معروض داشت که پیش ازین کم استماع افتاده بود بنابر غرابت مرقوم می‌گردد. روزی در ایام محاصره توپ ملک میدان را که از غایت اشتهار محتاج به تعریف و توصیف نیست به جانب اردوی شاهزاده مجری گرفته آتش دادند غلوله قریب بدولت خانهٔ ایشان رسید از آن جا باز کنده شده پهلوی خانه قاضی بایزید که از مصاحبانِ شاهزاده بود افتاد. اتفاقاً اسپ قاضی سه چهار گز دورتر از آنجا بسته بود به مجرد رسیدن غلوله بر زمین افتاد از صلابت صدای آن زبان اسپ قاضی از بیخ کنده بیرون افتاد غلوله‌اش از سنگ بود بوزن ده من متعارف حال که هشتاد من خراسان باشد و توپ مذکور به مثابهٔ کلان است که شخصی مستوی‌الخلقت درمیان آن درست می‌توان نشست.

درین تاریخ خاطر اشرف بسیر و تماشای ویرناگ که سر چشمهٔ دریای بهت است و از شهر تا آنجا همه راه سیرگاه و چشمه‌های جانفزا در غایت عذوبت و لطافت واقع شده رغبت فرمود کشتی‌ها آراسته بسمت بالای آب شتافتند. روز سوم مقام بیج براره به نزول موکب جهان افروز آراستگی یافت این موضع از سیرگاه‌های مقرری کشمیر است و چلکهٔ واقع شده در غایت صفا و نزاهت و هفت درخت چنار عالی در دست چلکه و جوی آبی برد در آن گشته و

این دیهه بجاگیر شاهزادهٔ پرویز تنخواه است. وکلای ایشان عمارتی به موقع ساخته‌اند مشرف بر دریا به غایت دلنشین از بیج براره به موضع انبج تشریف فرمودند در دامنِ کوه چشمه ساری‌ست جاری و بر فراز چشمه عمارات و حوض‌ها بقرینه یک دیگر ترتیب یافته بی‌تکلف سیرگاهی است عالی چون بجاگیر خانجهان بود مشارالیه بلوازم ضیافت پرداخته پیش کش کشید قلبیلی به جهت خاطر او پذیرفتند و ازین چشمه نیم کروه پیشتر چشمهٔ مچهی‌بهون است آب این چشمه از آن بیشترست و درخت‌های کلان کهن سال از چنار و سفیدار و سیاه بید بر دور آن رشته درین چشمه‌ها آن قدر ماهی درهم می‌جوشند که چشم خیره می‌شود و صفای آب به مثابه‌ای که اگر نخودی در آب افتد محسوس می‌گردد. بیت:

در ته آبش ز صفا ریگ خـرد کور تواند بـدل شـب شـمرد

از مچهی‌بهون به اجهول منزل شد آب این چشمه از ان افزون‌تر است آبشاری عالی دارد و درخت‌های چنار و سفیدار وغیره سر بهم آورده نشیمن‌های دل کش بموقع ترتیب یافته در مد نظر باغچه بصفا و گل‌های جعفری چمن چمن شگفته گویی قطعه‌ای‌ست از بهشت عنبر سرشت. روز دیگر از اجهول بسر چشمهٔ ویرناک بزم نشاط ترتیب یافت. این چنین منبع دریای بهت است در دامن کوه واقع شده که از ترا کم اشجار و انبوهی سبزه دریا حین بومش محسوس نمی‌شود در زمانِ شاهزادگی حکم شده بود که بر فراز این چشمه عمارت مناسب مقام اساس نهند. درنیولا بانجام رسیده حوض مثمن

چهل و دو ذرع در چهل و دو ذرع و عمقش چهارده ذرع و آبش از عکس سبزه دریا حین که بر کوه رسته زنگاری رنگ می‌نماید و ماهی بسیار شناور و بر دور حوض ایوان‌های طاق زده و باغی در پیش این عمارت ترتیب یافته و از لب حوض تا انتهای باغ جوی چهار گز در عرض یکصد و هشتاد و شش گز طول و دو گز در عمق و بر دو طرف آن خیابان سنگ بست از صفای جوی و سبزه و گیاهی که در زیر آب رسته چه نویسد. بعضی سبز میح و برخی فستقی و سیبگی و اقسام سبزه سیر و نیم سیر در هم نمودار از جمله تبه بنظر درآمد بعینه مانندِ دُم طاؤس منقش و از موجِ آب متحرک و گل‌های جابجا شگفته نفیس‌الامر آن که در تمام کشمیر به آن خوبی و دل‌فریبی سیر گاهی نیست چون ساعت کوچ فریب رسیده بود رایت معاودت بصوب شهر ارتفاع یافته و سر چشمه «لوگا بهون» محل نزول بارگاه اقبال گشت. این سر چشمه نیز سیرگاه خوش است اگر مناسب مقام عمارتی اساس یابد جای خوبی خواهد شد. در اثنای راه بر چشمه انده ناگ عبور اتفاق افتاد. وجه تسمیهٔ انده ناگ این است که ماهی این چشمه اکثر نابینا می‌باشد زمانی توقف فرموده دام انداختند دوازده ماهی گرفتار گشت. سر ماهی نابینا بود و نه ماهی چشم داشت. ظاهراً آب این چشمه را تاثیری است که ماهی را کور می‌سازد و بنابر غرابت ثبت شد. به شرحی که رقم زدهٔ کلک بیان گشته منزل بمنزل مراجعت فرمودند ارادت خان خانسامان به صاحب صوبگی کشمیر سرافرازی یافت و میر جمله از بغیر او

به خدمت مذکور سعادت اندوخت و راقم اقبال‌نامه از تغیر میر جمله به خدمت عرض مکرر مغز گشت. درین راه غیر مکرر شکار ماهی مشاهده افتاد و در جائی که آب تا سینهٔ آدمی باشد دو کشتی محاذی یکدیگر می‌برند بدستوری که یکسر باهم پیوسته و سر دیگر از هم دور بفاصلهٔ چارده پانزده ذرع و دو ملّاح بر کنار طرف بیرون کشتی‌ها چوب دراز بدست گرفته می‌ایستند تا فاصله زیاده و کم نشود و برابر می‌رفته باشند و ده دوازده ملّاح نیز در آب درآمده سرهای کشتی‌ها را که باهم پیوسته است بدست گرفته پاها را بر زمین کوفته می‌روند و ماهی که درمیان هر دو کشتی درآمده خواهد که از تنگی بگذرد بپای ملّاحان می‌رسد و ملّاح فی‌الفور غوطه خورده خود را به قعر آب می‌رساند و ملّاح دیگر بر پشتِ او حمل انداخته بدو دست زور می‌کند تا آب او را به بالا بیارد و او ماهی را گرفته بر می‌آرد و بعضی که درین فن مهارت تمام دارند ماهی بدو دست گرفته می‌آرند از جمله پیر ملاحی بود که در هر غوطه زدن دو ماهی بر می‌آورد و این شکار مخصوص دریای بهت است و جای دیگر دیده و شنیده نشده و منحصر در موسم بهار است که آب سرد و گزنده نباشد در شهر جشن دسهره ترتیب یافت اسپان و فیلان را آراسته بنظر همایون در آوردند درینولا مزاج اقدس از مرکز اعتدال انحراف ظاهر ساخت و اثر کوتاهی دم و تنگی نفس در خود احساس نموده حقیقت را به اطبّایی که در رکاب اقبال بسعادت حضور اختصاص داشتند بیان فرمودند و ابتدای ضعف آنحضرت از

این تاریخ است در خلال این حال به قصد سیر خزان به جانب صفاپور و دّرهٔ لار که پایان آب کشمیر واقع است متوجه گردیدند. در صفاپور کول آبخوشی است و بر سمت شمال آن کوهی‌ست پُر درخت با آنکه هنوز آغاز موسم خزان بود غریب نمودی داشت عکس اشجار الوان از زرد آلو وغیر آن درمیان آب به غایت خوش می‌نمود و بی‌اغراق خوبی‌های خزان از خوبی‌های بهار هیچ کمی ندارد. بیت:

ذوق فنا نیافته‌ای ورنه در نظـر رنگین‌تر از بهار و دجلوهٔ خـزان

چون ساعت کوچ نزدیک رسیده بود سیر اجمالی فرموده رایت مراجعت بر افراختند. بنا بر آن که زعفران گل کرده بود از سواد شهر به موضع پانپور شتافتند. در تمام کشمیر زعفران غیر ازین موضع جای دیگر نمی‌شود چمن چمن صحرا صحرا چندان که نظر کار می‌کرد شگفته بود تنه‌اش بزمین پیوسته می‌باشد. گلشن چهار برگ می‌دارد بنفشه رنگ و از میانش سه شاخ سرخ زعفران رسته و در سال کامل چهار صد من بوزن حالِ زعفران حاصل میشود که سه هزار دو صد من بوزن خراسان باشد نصف حصّه خالصه و نصف حصّه رعایا معمول‌ست و سیری بده روپیه خرید و فروخت میشود و رسم مقرر است که گل زعفران را وزن کرده باهل حرفه می‌دهند و آنها بخانهٔ خود برده زعفران را از میان گل چیده بر می‌آرند و موافق رابعی که از قدیم بسته‌اند به متصدیان این شغل می‌رسانند و هم وزن آن، نمک در وجه اجوره می‌گیرند. نمک در کشمیر نمی‌باشد بحدی

که در حسن او هم نمک نیست از هندوستان نمک می‌برند و بگیر از تحف‌های کشمیر پر کلنگی است از جانور شکاری و در سالی تا دو هزار و هفت صد پر بهم می‌رسد از باز و جره تا دویست دست بدام می‌افتد آشیان باشه هم دارد و باشه آشیانی خوب می‌شود درین دولت ابد قرین کارخانهٔ قالی بهم رسید از پشم شال کشمیر به غایت عالی شد و قماش قالی کرمان در برابر آن پلاسی بیش نیست در طراحی و رنگ‌آمیزی صفحه ایست از کارنامهٔ بهزاد. لطافت شال کشمیر از آن فزون‌تر است که محتاج به شرح و بیان باشد.

جوامع الحکایات و لوامع الروایات
تألیف سدید الدین محمد عوفی

جوامع الحکایات و لوامع الروایات سدید الدین (یا نورالدین) محمد عوفی کی تألیف ہے۔ اس کتاب کا شمار فارسی زبان و ادب کی ان نادر کتابوں میں ہوتا ہے جو اپنی اِفادی حیثیت اور موضوعی خصوصیت کی بنا پر اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ کتاب کے مولف کا نام سدید الدین محمد عوفی ہے۔ وہ مشہور صحابیِ رسول ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اولاد سے تھے۔ اسی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ عوفی لگاتے ہیں۔«جوامع الحکایات» میں لکھا ہے:

"چون امیرالمومنین عمر رضی الله عنه وفات رسید. صحابه جمع شدند و اختلاف میان ایشان قائم شدند نزدیک بود که فتنه پدید آید آنگاه عبدالرحمن بن عوف که جد اعلای مولّف این تألیف و محرر این تصنیف است سخن آغاز کرد".

عوفی کا خاندان علماء اور فضلاء کا خاندان تھا اور مادر و پدر دونوں کے ہی گھرانے ماوراءالنہر کے شرفاء میں شمار ہوتے تھے۔ عوفی بخارا میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم بخارا میں حاصل کی اور مزید تحصیل علم کی خاطر تقریباً بیس سال تک ایران، ماوراءالنہر اور خراسان کے مختلف مراکز کا سفر کیا اور یہاں کے علماء، فضلاء اور شعراء سے مستفید ہوا۔ ۵۹۷ ہجری میں سمرقند میں مولانا صدرالامام شرف الدین محمد ابن ابی بکر النسفی سے

حدیث پڑھی اور اُن سے روایت کی اجازت لی، یہیں وہ شاہ قلیج خان ابراہیم کے لڑکے قلیج ارسلان خاقان نصرۃالدین عثمان کی ملازمت میں داخل ہو کر اس کے دیوان انشاء کا نگران مقرر ہوا۔ اس ملازمت کے دوران سمرقند جو اس زمانے میں علم و ادب کا مرکز تھا، وہاں کے علماء، فضلاء اور شعراء کی صحبت میں رہا۔ مگر وہ اس ملازمت اور شہر میں زیادہ عرصہ تک نہیں رہا اور واپس اپنے وطن آگیا۔ تقریباً ۶۰۰ ہجری میں پھر خراسان کے علاقہ میں سیر و سیاحت کو نکل پڑا۔ لیکن عوفی کے علمی ذوق کا عالم یہ تھا کہ وہ جہاں بھی جاتا تھا وہاں کے علماء، فضلاء کی صحبت سے بہرہ یاب ہوتا اور اپنی علمی لیاقت کو مزید مستحکم کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب فضلاء اور ادباء کے صحبت میں اس کے علم و ادب کی جلا بلندی پر پہنچی اور وہ اپنے وطن واپس گیا تو اس کا شمار ایک جید اہل علم میں کیا گیا۔ لیکن جب خراسان پر تاتاریوں نے یلغار کی تو دوسرے فضلاء کی طرح اسے بھی اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور اس نے غزنین ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچ کر لاہور میں ہناہ لی۔ لاہور میں اس زمانے کے مشہور شاعر حمیدالدین مسعود بن سعد اور ادیب شرف الدین احمد دماوندی کی صحبت سے فیضیاب ہوا۔

ناصرالدین قباچہ سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے ان خوش نصیب غلاموں میں سے تھا جنہوں نے ہند و غزنین کے مختلف علاقوں میں بادشاہت کیں۔ ۶۰۲ ھ سے ۶۲۵ ھ تک اس نے سندھ اور ملتان (کچھ عرصہ پنجاب بھی) میں سلطنت کی۔ وہ فیاض دل، مہمان نواز اور علم وادب کا قدردان تھا۔ انہیں بناپر مغلوں کے فتنے اور ہنگامہ آرائیوں سے جان بچاکر ایران و خراسان کے متعدد شرفاء نے اس کے دربار میں پناہ لی تھی۔ عوفی بھی انہیں میں سے ایک تھا جو اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزین تھا۔ یہاں اس کو شاہی امام و واعظ کے عہدہ پر مامور کرکے اس کے علم و فضل کی قدردانی کی گئی۔ ۶۱۷ ہجری میں عیدالفطر کے موقع پر اس نے عربی میں جو خطبہ دیا تھا وہ عوفی ہی کی دوسری مشہور زمانہ تالیف «لباب الالباب» میں نقل ہے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد وہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر

مامور ہو کر کھنبایت پہنچا، یہاں اس نے قاضی ابی علی الحسن بن علی محمد بن داود (ف ۳۸۴ھ) کی کتاب الفرج بعد الشدۃ کا فارسی ترجمہ کیا اور اسے ناصرالدین قباچہ کے نام انتساب کی۔ چنانچہ «جوامع الحکایات» میں رقمطراز ہے:

"قاضی محسن تنوخی کتاب‌الفرج بعد الشدة تألیف کرده است اندرین معنی و آن کتابی مقبول و مرغوب است و مؤلف آن کتاب را به لغت پارسی ترجمه کرده است و بیشتر حکایات آن درین مجموع مسطور است".

جب عوفی کو ناصرالدین قباچہ کے وزیر عین‌الملک کی سرپرستی حاصل ہوئی اور اس کو مالی و معاشی اطمینان میسر ہوا تو اس نے اپنے علمی کمالات اور تمام جوہر اپنی کتاب «لباب‌الالباب» لکھ کر عوام و خواص پر ظاہر کئے۔ سب سے پہلے اس کتاب کو دو جلدوں میں ایڈورڈ براؤن نے تصحیح کرکے محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ ۱۹۰۲ میں لندن سے شایع کیا، پہلی جلد سات ابواب پر مشتمل ہے پہلے چار ابواب میں شعر و شاعری کی فضیلت اور معنی پر بحث کی گئی ہے، پانچویں اور چھٹے باب میں مختلف سلاطین، ملوک، امراء اور وزراء کی فارسی شاعری کا ذکر ہے۔ ساتویں باب میں ماوراءالنہر، خراسان، عراق وغیرہ کے علماء، فضلاء کی شاعری پر تبصرہ ہے۔ دوسری جلد میں پانچ طبقات میں آل طاہر، آل لیث، آل سامان، آل ناصر، آل سلجوق اور ناصرالدین قباچہ کے درباری شعراء کا بیان ہے۔ لباب الالباب کو فارسی تذکرہ نگاری میں پہلا تذکرہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ فارسی کے بہت سے قدیم شعراء کے بارے میں جانکاری اور ان کے حالات ہمیں صرف اسی کتاب کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔

جوامع الحکایات و لوامع الحکایات عوفی کی دوسری مشہور و معروف تصنیف ہے جسے اس نے سلطان ناصرالدین قباچہ کے حکم پر لکھنا شروع کیا۔ وہ اپنی اسی تالیف میں مشغول تھا کہ

۶۲۵ ہجری میں سلطان شمس الدین التتمش نے سندھ پر لشکر کشی کی اور اُچہ کا محاصرہ کر لیا، ناصر الدین قباچہ اُچہ سے بھاگ کر بھکّر گیا لیکن التتمش نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا آخر کار شکست کی ذلت پر موت کو ترجیح دی اور شنبہ ۱۹ جمادی الآخر ۶۲۵ ہجری کو بھکّر کے قلعے سے دریائے سندھ میں کود کر جان دے دی۔ قباچہ کی وفات کے بعد عوفی بھی دوسرے شعراء اور ادباء کی طرح التتمش کے دربار میں چلا گیا اور اس کے علم پرور وزیر نظام الملک جنیدی کی سرپرستی میں جوامع الحکایات و لوامع الروایات کی تکمیل کرکے اسے اس ادب نواز وزیر کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ایک سو ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکایات ہیں۔ یہ اپنی خصوصیات کی بنا پر جیسے حکایات کی رنگین آفرینی، دل نشینی، پند و نصیحت اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ہر زمانے میں اہل علم اور دانشمندان اس کتاب سے بہرہ مند ہوتے رہے ہیں۔ اس کی بعض حکایات تاریخی حیثیت سے اور بعض حکایات مذہبی، سیاسی، معاشرتی اعتبار سے اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہیں۔ اس کتاب کو ایک اخلاقی کتاب ہونے کا بھی شرف حاصل ہے اور اس کی حکایات میں اخلاقی اوصاف جیسے عدل، حیا، تواضع، عفو و کرم، حلم، بردباری، ہمت، ارحم، ایثار، سخاوت، صبر، شکر، زہد، جد و جہد، سکوت و نطق، وفاداری، محافظت، عہد، ایمانداری اور دوسرے مکارم اخلاق کے اسباق درج ہیں۔ عوفی نے یہ تمام حکایات تاریخ اور دوسرے فنون کی کتب سے جمع کی ہیں جن کی وضاحت جابجا دی گئی ہے اور ان کی ایک طویل فہرست ہے جس سے ہمیں عوفی کے کثیر مطالعہ اور وسعت نظر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ جوامع الحکایات میں عوفی نے اپنے مربی نظام الملک کی مدح میں بہت سے اشعار بھی لکھے ہیں جن میں اس کے اوصاف کو خوب دل کھول کر بیان کیا ہے جیسے اس کی دل نوازی، تدبر و دبدبہ وغیرہ وغیرہ۔ ایک جگہ نظام الملک کی ستایش میں سلطان شمس الدین التتمش کی بھی مدح کرتا جس میں اس کے دور کی خوب

تعریف و توصیف بیان کرتا ہے:

نظام‌الملک محمد قوام دولت ذرین
که مصر جامع دین را ز رای اوست حصار
دگر به عهد شهنشاه آمدی پرویز
ز رشک و غیرت نشناختی یمین و یسار
خدایگان سلاطین عهد شمس‌الدین
که کان دریا از یمین اوست یسار
مکین بندهٔ او به قیصر و کسری
کمین چاکر او به ز خان چین تاتار
خدای جل جلاله وزیر سلطان را
به فضل خویش ز احداذ چرخی مامون دار

جوامع الحکایت کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کی یہ کتاب براؤن کے ایڈیشن کے بعد ایران میں متعدد بار شایع ہوئی جیسے:

جوامع الحکایات، تصحیح دکتر بانو مصفا، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، سال ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳۔

منتخب جوامع الحکایات برای دبیرستان‌ها (مدارس)، تصحیح مرحوم ملک الشعرای بہار، انتشارات وزارت فرہنگ، سال ۱۳۲۴۔

جوامع الحکایات، مرحوم محمد رمضانی۔

جوامع الحکایات (مربوط بہ تاریخ ایران (تصحیح جعفر شعار، انتشارات دانش سرای عالی تہران، ایران، ۱۳۵۰۔

جوامع الحکایات در دو جلد، تصحیح ڈاکٹر محمد معین، انتشارات دانشگاہ تہران۔

محمد عوفی ایک ممتاز نثر نگار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک جلیل القدر اور قادرالکلام شاعر بھی تھا۔ اپنے ممدوحین کی شان میں عمدہ قصائد لکھے اور اپنی شاعری کی چاشنی سے اپنی نثر کو دل نشین بنایا۔ عوفی کی ایک اور نا معلوم تألیف «مدائح السلطان» ہے جو غالباً قصائد کا مجموعہ ہے اس کے متعلق خود لکھتا ہے:

"داعی دولت این معنی را در کتاب مدائح السلطان لباس نظم پوشانیده است".

جوامع‌الحکایات

حکایت[1]

روزی پیغامبر علیه‌السلام فرسنگی از شعاع مکّه برون شد و به نماز مشغول گشت و ابوطالب او را باز طلبید و نیافت و از آن جهت دل پریشان شد و به هر طرفی برون رفت تا آنگاه که او را بیافت در میان نماز. حالی شاد گشت و بنشست تا او فارغ شد. آنگاه گفت: ای فرزند این چیست که تو می‌کنی؟ و به هر وجه او را ملامت می‌کرد و او سر افگنده می‌بود و چشم بر زمین داشت، تا ابوطالب خاموش گشت. آنگاه گفت: آنچه من می‌کنم خدای من تعالی مرا فرموده است و بدان به بهشت خود وعده کرده و اگر تو به دین من در آیی همین بیابی و به انواع ملاطفت او را دعوت کرد. گفت: اکنون بیگانه نیست، مرا معجزه بنمای تا به تو بگروم، پیغامبر علیه‌السلام در نگرید، درختی دید در مقابله ایشان. بدان اشارت کرد و او را پیش خواند و آن درخت فرمان او را مطاوعت کرد و زمین می‌شکافت و

---

۱. جوامع الحکایات تألیف محمد عوفی، چاپ حیدرآباد ۱۳۷۸ بخش اول ص ۱۲۳، ۱۷۸، ۲۰۰، ۲۵۲، ۳۲۷، ۸۰۲، (حکایات بشماره ۲۷، ۶۸، ۸۱، ۸۵، ۱۱۰، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۵۷، ۱۸۳) بخش دوم، حکایات شماره ۳۸۰، ۳۶۷، ۳۷۳، ۳۷۵، ۵۱۱، ۵۱۳، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۹۲ـ۵۹۰ـ

پیش می‌آمد، چندانکه پیش سید عالم علیه‌السلام بیامد بایستاد. مهتر علیه‌السلام فرمود که: به جایگاه خود باز باید رفت. هم بر آن شکل رفتن گرفت تا به جای خود باز داشت. ابوطالب گفت: ای فرزند، تا اکنون من قریشان را ملامت می‌کردم بر آن که ترا جادو می‌خواندند و اکنون دیدم که ایشان راست گفتند.

پیغامبر علیه‌السلام از این سخن تنگ دل شد و گریان باز گشت تا ایزد سبحانه و تعالی دل عزیز او را خوش گردانید و این آیت بفرستاد "إِنَّکَ لَا تَهْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَکِنَّ اللهَ یَهْدِی مَنْ یَشَاءُ"[1].

حکایت

سلمان فارسی رضی الله عنه روایت می‌کند که در غزو خدق که اعراب کفار جمع شدند و نزدیک مدینه فرود آمدند و پیغامبر علیه‌السلام پیش ایشان بیرون رفت و خواست که میان ایشان و لشکرگاه خود خندق سازد. سلمان بدان اشارت کرده بود و هر جای را میان صحابه قسمت فرمود و هر ده کس را چهل ارشی داده بود تا بگشایند و گل بردارند و در آن ده گز که اهل بیت پیغامبر را علیه‌السلام رسیده بود و سلمان در میان ایشان بود که سنگی بزرگ از میان خندق بر آمد که آلات و ابزار بر وی کار نمی‌کرد. جابر بن عبدالله روایت می‌کند که مصطفی را علیه‌السلام از آن حال خبر

---

۱. سورۂ القصص، آیت ۵۶۔ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔ {ترجمہ محمد جوناگڑھی}

کردند. مهتر علیه‌السلام فرود رفت و جامه چست کرد تا آن سنگ را بشکافد. اثر فاقه در مهتر علیه‌السلام بدیدم که سنگی بر شکم بسته بود. بزودی در خانه رفتم و در انبانی صاعی جو داشتم که چهار من باشد. آن را بفرمودم تا آرد کنند و بسرشتند و بزغاله‌ای یافتم آن را بسمل کردم و مسلوخ کردم و اهل خود را گفتم تا شوربای جوشاند و آن آرد را بپزند و خود بیامدم و پیغامبر علیه السلام را اعلام دادم و گفتم: یا رسول الله قدری طعام گفته‌ام تا بسازند، اگر تجشم فرمایی و با یک دو کس از کبار صحابه به وثاق من خرامی از کمال کرم تو بدیع و غریب نبود. مهتر علیه‌السلام شاد شد و اجابت فرمود. آنگاه مرا گفت: برو و مر اهل خود را بگوی تا نان در تنور نبندند و طعام از دیگ بر نکشند تا من بیایم. چون به خانه رفتم بلال را بفرمود تا جملهٔ صحابه را اعلام داد و گفت «اِنَّ جابرا اتخذ لَنا سور»[1]، جابر بن عبدالله ما را سوری ترتیب کرده است، جمله آنجا روید و من متحیر بماندم و زن را گفتم که حال بر این جمله بوده است و جملهٔ صحابه روی به خانهٔ ما نهادند و طعام چندان نبود که نیم کفایت ایشان بودی. اهل من مرا گفت که تو صورت حال با خواجهٔ کائنات باز رانده‌ای، گفتم: بلی. گفت: تو فارغ باش که بر آنچه مقتضای مصلحت باشد او تقدیم نماید.

پس مهتر علیه‌السلام با جملهٔ یاران بیامدند و خواجهٔ کائنات

---

[1] ہماری میزبانی کا انتظام کیا ہے۔

علیه‌السلام در خانه آمد و دست مبارک در خمیر مالید و قدری از آبِ دهان خود در دیگ انداخت. آنگاه من نان در تنور می‌بستم، او بر می‌کشید و طعام در کاسه می‌کرد و مهتر علیه‌السلام ده گان ده گان از یاران در می‌خواند و سیر می‌شدند و مراجعت می‌نمودند؛ چندانکه زیادت از هزار کس از آن طعام سیر شدند و فضلی بماند که همسایگان و خویشان ما را از آن نصیب رسید.

حکایت

عبدالله بن مسعود رضی‌الله عنه شبانی کردی. وقتی پیغمبر علیه‌السلام از رمهٔ وی بگذشت. گفت: هیچ شیر داری؟ گفت: هست و لیکن ملک من نه. پیغمبر علیه‌السلام گفت: هیچ گوسفند نازاده داری؟ گفت: دارم. ماده بزی پیش آورد که از ضعیفی نمی‌توانست رفت و از رمه و از چرا باز مانده بود. پیغمبر علیه‌السلام پستان او را بسود. در حال شیر روان شد. به قدر حاجت بگرفت و باقی بگذاشت.

و حدیث ام معبد معروف است که چون پیغمبر علیه‌السلام از مکّه به مدینه هجرت کرد، به خیمهٔ او رسید و هیچ چیز نیافت جز گوسفندی که از ضعیفی از رمه باز مانده بود. پیغمبر علیه‌السلام او را پیش خواست و دست به پستان او دراز کرد و چندان شیر حاصل آمد که حاضران را کفایت بود و بسیاری بماند که از پس ایشان بگذاشت و چون شبانگاه ابوسعید از چراگاه باز آمد، در خانه شیر دید. پرسید که این شیر از کجا آوردی؟ ام معبد گفت: کریمی امروز

بر ما گذشت، این از برکت قدوم اوست. ابوسعید گفت: جمالِ او با من بگوی. ام معبد شرِ مصطفی را علیه‌السلام صفتی کرد در غایت فصاحت و آن صنعت در کتب مسطور است و ما به صد زبان به بیان آن بر نیاییم بر حکایت اختصار افتاد.

حکایت

مصطفی را علیه‌السلام با یاران به غزوی رفته بود و در اثنای راه یاران را آب نماند و آتش عطش دل‌های ایشان در تاب و تن‌های ایشان در اضطراب آورد و خلق از تشنگی حلق به مهتر علیه‌السلام پناه گرفتند. مهتر علیه السلام علی و زبیر را رضی‌الله عنهما بفرستاد و گفت: به فلان موضع روید، زنی بینید بر شتری نشسته و دو مشک آب از کرانه محمل آویخته. او را به نزدیک من آرید.

ایشان بر حکم فرمان برفتند و هم چنان در میان آن بیابان دریافتند و آن زن را به حضرت مصطفی علیه‌السلام آوردند. پیغمبر علیه‌السلام یک مشک آب به رضای وی بستد و در آوندی گردانید و مشک بازِ وی داد و توشه‌ای با آن ضم کرد و هر کس از یاران در حق وی لطفی کردند و از وی عذر خواستند و جملهٔ صحابه را فرمان داد تا به قدر حاجت از آن آب گیرند، جمله مشک‌ها پر کردند و راویه‌ها پر کردند و شتران سیراب شدند و آب آوند از آن مقدار کم نشد.

پس مهتر علیه‌السلام زن را بدرقه داد تا به سر راهش رسانیدند و آن زن با اهل خود پیوست و از آن حال با ایشان حکایت کرد و

جمله به اتفاق به خدمت پیغمبر علیه‌السلام آمدند و به سعادت، اسلام مخصوص گشتند.

حکایت

و گویند مصطفی علیه السلام مر خالد ولید را نزدیک قیصر روم فرستاد به رسالت و خالد به در سرای قیصر آمد و بار خواست. حاجبان گفتند: از کجا آمده‌ای؟ گفت: من رسولِ رسولِ خدایم؛ از مدینه می‌آیم و نزدیک قیصر رسالتی دارم. گفتند: بدین زودی به خدمت شاه نتوان رفت. گفت: مرا فرمانِ مقام نیست. حالی عرضه داشتند که مردی یک سواره آمده است و می‌گوید من رسولِ رسولِ خدایم و بار می‌خواهد و تجملی زیادت ندارد؛ اسپی لاغر دارد و جامه‌ای خلق. قیصر گفت: او را در آرید.

چون خالد نزدیک قیصر درآمد سلام گفت. حاجب گفت: ملک را سجده کن. گفت: پیغمبر ما سجده مر مخلوقات را حرام کرده است؛ ما سجده جز خدای تعالی را نکنیم. قیصر از جرأت و فصاحت او متحیر شد. گفت: تو کیستی و ازکجا آمده‌ای؟ گفت: من رسولِ رسولِ خدایم که پیغمبر آخر زمان است. مرا نزدیک تو فرستاده است و گفت که از بندگی خدای خود فراموش مکن و بر آفریدگار به جبر و تکبر پیش میار. قیصر گفت: محمد کس دیگر به از تو نیافت که آن کس را به ما فرستادی؟ گفت: اگر بهتر به فضل می‌گویی به از من بسیار بودند و اگر به جامه و تجمل می‌گویی

نبودند. از هر آن که پیغمبر علیه‌السلام زر ندارد و تجمل نسازد، اگرچه من جامهٔ خَلقِ دارم، اما به هنر ما را بیازمایی و در میدان مبارزت هر مردی که داری پیش من فرست. قیصر گفت: من مردان خود را هلاک و تباه نکنم و لکن ترا به زهر بیازمایم، اگر بخوری و ضرری به تو نرسد، دانم که دین تو حق است.

پس بفرمود تا درم سنگی زهر در قدحی کردند و آب در آن ریخت و پیش خالد آورد. خالد قدح بستد و به دل قوی گفت: "بِسْمِ اللهِ الّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَیْءٌ فِیْ الأَرْضِ وَلَا فِیْ السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ العَلِیْمُ"[1] و قدح در کشید و عرق از وی ترشح نمود و جملگی زهر از مَسام او برون آمد و هیچ ضرری به وی نرسید. قیصر چون این حال بدید تعظیم کرد و عزیز داشت، خدمتی نوشت به مصطفی صلی الله علیه وسلم و آثارِ اخلاص و متابعت و مبایعت در آنجا اظهار کرد و چون خالد به خدمت مصطفی علیه‌السلام رسید، مهتر او را گفت که نترسیدی از زهر خوردن اقدام نمودی؟ گفت: اگر نه رسول تو بودمی هرگز نیارستمی چشیدن؛ اما چون بر صدق رسالت تو اعتماد داشتم، با خود گفتم که من رسول دوست خدایم، هرگز دشمن رسول رسول (دوست) را نگزاید.

---

۱. **حدیث مبارکہ۔** ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ (مدد طلب کرتا ہوں) جس کے ذکر کے ساتھ زمین اور آسمان میں کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی، وہ زیادہ سننے والا اور زیادہ علم والا ہے۔ (**ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد**)

حکایت

مقدم ارباب صفا و سر دفتر اولیاء، ابواسحاق ابراهیم بن ادهم بن منصور بوده است از شهر بلخ و استاد ابوالقاسم قشیری رحمة الله علیه در رسالت خویش او را بر جملهٔ مشایخ مقدم داشته است و وی از جملهٔ ملوک‌زادگان بلخ بود. روزی به صحرا برون آمده بود و بر عزم شکار بر نشسته، ناگاه آهوی از پیش وی برخاست. او در پی او بتاخت و راه بسیار قطع کرد. ناگاه هاتفی آواز داد «أ لهذا خُلِقتَ»[۱] آخر ترا از بهر این کار آفریده‌اند؟ ابراهیم بیدار شد و گفت: نی، مرا از بهر این کار نیافریده‌اند. پس از اسب پیاده شد و در راه یکی شبانی را دید از شبانان پدر خود. اسب و جامهٔ خویش به وی داد و گلیم وی بستد و روی در بادیه نهاد و به مکّه آمد و با سفیان ثوری و جماعیتی از تابعین صحبت داشت و کارِ وی در راهِ دین قوی شد و در بادیه بزرگی را دریافت و آن بزرگ او را نام بزرگ خدای تعالی بیاموخت و مستجاب‌الدعوة شد و یکی از کرامات او آن است که مبارک عبدالله ثوری می‌گوید که: وقتی با ابراهیم ادهم عزم شام داشتم. روزی هوا به غایت گرم شد و امکان رفتن نماند. ابراهیم از راه به طرفی رفت و سایه جست. درخت اناری بود. در زیر سایهٔ آن درخت ساعتی استراحت فرمود و آن اناری بود ترش و ابراهیم بدان التفات نکرد و از آن تناول نفرمود. پس از آن درخت آواز آمد:

---

[۱] کیا تو اسی لئے پیدا ہوا ہے؟

"اَکرمنا بِان یاکُل مِنَّا شیأ"[1] یعنی ما را گرامی کن بدان که چیزی از ما بچشی. او از آن درخت دو انار باز کرد. یکی مرا داد و دیگری خود بخورد. همراه وی می‌گوید که به شام رفتیم و معابد و مشاهد انبیاء و اولیاء زیارت کردیم و از آن هم فراغ یافتیم. به وقت مراجعت بدان درخت رسیدیم. آن درخت را دیدیم که از همه درختان مهتر و بهتر شده بود و شاخ او بلند گشته و سایهٔ او مبسوط شده و میوهٔ او شیرین گشته. چنین که در سالی دوبار بر کند و آسایش گاه اولیاء و اوتاد آنجا باشد و آن دور نیست که اثر تابش خورشید سنگ را لعل می‌گرداند، اگر اثر نظر بزرگان دین میوهٔ ترش شیرین گرداند عجب نبود.

حکایت

و دیگر از مشایخ طریقت ابوالفضل ذوالنون مصری است و نام او ثوبان بن ابراهیم بود و به روایتی ابوالفیض بن ابراهیم و پدر او نوبی بود و در سال دویست و چهل و پنج از هجرت مصطفی علیه‌السلام" به عالم آخرت رفت و کرامات او بسیار است. قشیری آورده است که وقتی سالم مغربی از ذوالنون مصری پرسید که: سبب توبهٔ تو چه بود؟ گفت: کاری عجب که کسی طاقت شنیدن آن ندارد. گفت بباید گفت. ذوالنون گفت: وقتی از مصر برون آمدم، تا به بعضی از دیها بروم و مصلحتی که دارم کفایت کنم. درمیانهٔ راه به موضعی فرود

---

[1] اس نے ہمارا کچھ حصہ کھا کر ہم پر کرم کیا۔

آمدم، تا ساعتی بیاسایم. چشم بگشادم. چکاو کی دیدم نابینا، از آشیانِ خود بر زمین افتاد. در حال زمین بشکافت و دو سکره از آن برون آمد. یکی از زر و یکی از سیم. در یکی کنجد بود و در دیگری آب. پس آن جانورک ضعیف از آن کنجد بخورد و از آن آب بچشید و آن سکره‌ها ناپدید شدند. من گفتم کرم آفریدگار تعالی مرا از خواب غفلت بیدار کرد. طلب زیادت را فایده نیست، چون دارنده کسی را ضایع نمی‌گذارد، رنج روزی بر خود نباید نهاد.

حکایت

دیگر از مشایخ طریقت ابوعلی فضیل بن عیاض بود از نواحی مرو. بعضی گفته‌اند به سمرقند متولد شد و در ابیورد پرورش یافت و در مکّه به رحمت حق تعالی پیوست. در سنه سبع و ثمأنین و مأتین و اول حال او در نسا و ابیورد راه زدی و زنی را نیک دوست می‌داشت. شبی خواست تا نزدیک معشوق خود رود و ساعتی به معاشرت مشغول شود. بر دیواری رفت تا از آن طرف به معشوق رسید. آواز خواننده‌ای به گوش او رسید که این آیت می‌خواند: قَولَه تعالی"أَلَمْ یَأنِ لِلَّذِینَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِکْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ"[1].

ندای لطف الهی و مدد فیض و عصمت پادشاهی در رسید. باخود گفت: وقت آمد که آهن دل‌ها از آتش توبه چون موم شود. پس از آنجا

---

۱. سورۃ الحدید، آیت ۱۶۔ کیا اب تک ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اور جو حق اتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں۔ {ترجمہ محمد جوناگڑھی}

فرود آمد و از آن پریشانی وی را پشیمانی ظاهر شد. هم در شب به رباط ویران درآمد تا آنجا استراحتی کند. جماعتی کاروانیان آنجا نزول کرده بودند شبگیر. گفت خیزید تا برویم. بعضی از ایشان گفتند صبر کنیم تا روز شود که فضیل بر راه است. فضیل بسیاری بگریست و گفت: ای برادران فضیل با شماست، بسلامت بروید.

و عادت او آن بوده است که هر کاروانی که بزدی و مال هر کس که ببردی نام و نسب و جایگاه آن کس بر دفتر ثبت کردی. پس جملهٔ خصمان را بطلبید و مال‌های ایشان باز بداد و از ایشان بحلی خواست و او را یاد آمد که جملهٔ خصمان خشنود شدند، مگر جهودی در نواحی شام، مالی خطیر نقد از وی سته بود. پس فضیل به شام رفت و از وثاق جهود نشان خواست و او را دریافت و حال توبه خود با وی بگفت و در استحلال و استرضای او کوشید. جهود گفت توبه کرده‌ای مبارک باشد. فاما من سوگند خورده‌ام که تا زر خود نستانم راضی نشوم و این ساعت تو نیز مالی و ثروتی نداری، اکنون صواب آن می‌بینم که به خانهٔ من در روی و در زیر بساط قدری زر است، به مقدار آنچه مطالبت من بر تست، زر بردار و به من ده تا من به حق خود رسم و تو از عهده بیرون آیی. فضیل به خانهٔ جهود درآمده موضعی که نشان داده بود آن زر برداشت و پیش جهود آورد و جهود چون آن زر بدید، جمود او به اقرار بدل گشت و گفت: کلمه‌ای عرضه کن. آنگاه گفت: من در تورات صفت امت محمد خوانده بودم و یکی از آن اوصاف آن بود که اگر یکی از

ایشان به صدق دل توبه کند اثر صدق او آن باشد که خاک را برای او زر گردانند و در این زیر بساط من جز خاک نبود؛ خواستم تا ترا امتحان کنم؛ چون صدق توبهٔ تو و حقیقت دین تو مرا معلوم شد، بعد از این انکار نتواند کرد. پس از جملهٔ مردان راه دین شد و در دین درجه‌ای یافت و بالله التوفیق.

حکایت

نظام‌الملک رحمة الله علیه خانقاهی کرده بود در شهر صفاهان و امیر سید محمد را که با صفای وقت شرف نسب داشت در آنجا ساکن کرد و عادت چنان رفته بود که هر سال از اطراف عالم مستحقان و اصحاب حوائج از سادات و علماء و صوفیان بیامدندی و در آن خانقاه جمع شدندی. چون ماه رجب بدیدندی، نظام‌الملک سید محمد را بخواندی تا حوایج جمله را باز گشتی و ادرار و انعام و آچه بودی جمله نسخت کردی و از خزانه زر نقد بدیشان دادندی و همه را باحصول مقصود باز گشتندی. چنانکه ماه رمضان جمله به خانهٔ خود باز رسیده بودندی.

سالی آن انعام در توقف افتاد و در ماه رجب و شعبان از آن مستحقان یاد نکرد و چون ماه رمضان درآمد هم ایشان را تفقد نفرمود، چندانکه ماه شوال بدیدند. نظام‌الملک بفرستاد و سید محمد را بخواند و گفت دو کس را از بزرگان متصوفه با خود بیار، تا سخنی که هست باز گویم. سید محمد گفت: چون از سفره فارغ

شدیم مشایخ را پیش او بردم. ایشان را اعزاز کرد و تبجیل نمود و گفت: بدانید که من در اول جوانی به طلب علم مشغول بودم؛ خواستم که سفری کنم که تحصیل در غربت بهتر دست دهد. از پدر اجازت خواستم که به مرو روم. مرا اجازت داد و ستوری و غلامی مرا داد و گفت وقتی که به آن جایگاه رسی از کاروان التماس کن، تا یک روز به جهت تو در میهنه مقام کنند و به خدمت شیخ میهنه رو و قدم او ببوس و از همت او استمداد کن و آنچه گوید آن را امام ساز. چون با کاروان به آن جایگاه رسیدیم، من از کاروانیان درخواستم تا یک روز به جهت من مقام کنند و ایشان اجابت کردند. من به میهنه رفتم. چون به نزدیک قصبه رسیدم و گفتم من خود را آن مقام و منزلت نمی‌شناسم که کسی مرا استقبال کند. گفتند: چون بامداد شیخ سلام نماز بداد گفت: هر که خواهد که استقبال کند، جوانی را که دنیا نخورد و آخرت ببرد، امروز استقبال کنید که چنین کس بخواهد رسید. جماعتی بیامدند و گفتند ما به استقبال تو آمده‌ایم. مرا از این سخن قوت دل پدید آمد و چون به خدمت شیخ رسیدم و شرف مشاهده و تقبیل دست او به حاصل کردم، گفت: ای پسر، مبارکت باد خواجگی جهان. برو و کار را باش که کار ترا می‌طلبد و ترا از این راه که می‌روی هیچ ننهاده‌اند، اما زود باشد که طلبهٔ علم را از تو مقصودها بر آید. عهد کن که آن طایفه را نیکو داری. گفتم: حسن کی باشد که بر لفظ مبارک چنین تشریفی رود به جهت او. اکنون من عهد کردم که خاک پای آن جماعت باشم. پس من بسیار بگریستم و

شیخ سر مرا در کنار گرفت. گفتم: آخر این شغل را که شیخ می‌فرماید هیچ نشانی هست؟ گفت: هست. هر گاه که توفیق از تو باز گیرند آخر عمر تو باشد.

اکنون بدانید که امسال از اول رجب می‌خواستم که ادرارات و انعامات مستحقان بر عادت قدیم برسانم، تا این غایت. توفیق توفیق نیافتم و مرا معلوم شد که عمر من به آخر رسیده است که توفیق از من باز گرفتند. فردا می‌باید که به درِ خزینه آیید و آنچه واجب مستحقان است از خزانه بستانید و ادرارات ایشان را توقیع تازه بستانید. باشد که مرا بیش روزگار زمان ندهد.

پس سید محمد می‌گوید روز دیگر به حکم اشارت او برفتیم و آنچه واجب ادرار خواران و مستحقان بود بستدم و ادرار نامه‌های ایشان تجدید کردم. بعد از چند روز سلطان کوچ کرد و نظام‌الملک سه روز بعد از سلطان مقام فرمود و بر عقب برفت و چون به نهاوند رسید ملحدان او را بکشتند و خلق از شفقت او محروم ماند.

حکایت

و گویند ضحاک خوابی دید که سه تن در کوشک وی آمدند و یکی از ایشان عمودی داشت از آهن که سر او را بر شبه سر گاوی ساخته بودند. پس بدان گرز سر او بکوفت و ضحاک بیدار شد و از این خواب، عظیم بترسید و جماعت منجمان دانا و اختر شناسان ماهر را حاضر کرد و آن خواب با ایشان تقریر کرد. یکی از ایشان گفت:

نزدیک آمد که نوبت ملک و پادشاهی از تو به دیگری منتقل شود و آنکس جوانی است که اکنون از مادر زاده است و ترا بر پدر وی دست بود و پدر او بر دست تو کشته شد و مادر او را از بیم تو به صحرایی برد و به گاوبانی دهد تا به شیرِ گاو او را بپرورد و بزرگ شود. ضحاک از این حال اندیشه مند شد و در طلب افریدون کسان فرستاد و گویند افریدون پسر آبتین بود از فرزندان طهمورث و زن او نوایک نام بود و در آن سال افریدون از وی متولد شد و آثار بزرگی و مخایل سلطنت در ناصیهٔ افریدون پدید بود. چنانکه هر که او را می‌دیدی بی‌گمان می‌شد که او را از برای کارهای بزرگ آورده‌اند و ضحاک در طلب او کسان فرستاد و از احوال چنین مولودی تفحص کردن گرفت. تا او را خبر دادند که یکی را از فرزندان طهمورث که از خاندان ملک و دودمان پادشاهی است فرزندی متولد شده است و نام وی افریدون نهاده‌اند و آثار بزرگی در ناصیهٔ او پیدا است. ضحاک کسان فرستاد. زن و فرزند او را نیافتند و آن زن، فرزند را در صحرا و کوه می‌گریزانید، تا در میان دشت مرغزاری دید. ماده گاوی در آن مرغزار چرا می‌کرد، چنانکه مثل آن گاو در حسن و رنگ و شیمت ندیده بود. پس به گاوبان گفت که این فرزند را به تو خواهم سپرد، تا او را از شیر این گاو بپروری و در تربیت او شفقت پدری بجای آری که جماعتی از منجمان و کاهنان مرا گفته‌اند که تقدیر آفریدگار تعالی آن است که این پسر روزی بر تخت پادشاهی نشیند و ظلمت ظلم ضحاک به نور معدلت او منطفی شود و آن مرد

او را قبول کرد و چون کسان ضحاک در خاک او شدند، او را ندیدند. قصر او را بسوختند و خانهٔ او را غارت کردند و هم چنین چهار سال افریدون در آن صحرا می‌بود و ضحاک از طلب او نمی‌آسود. تا او را خبر آوردند که چنین گاوی در فلان مرغزار چرا می‌کند و کودکی را به شیر او می‌پرورند و پیش از آنکه ضحاک کسی به طلب آن نامزد کردی، مادر وی را در خاطر افتاد که شاید کسی به طلب او آید و او را به دست بلا سپارد. پس بیامد و پسر را از آنجا به دیگر زمین برد و در کوهی جماعتی بودند از زهاد و عباد که ایشان از عالم کرانه گرفته بودند. پسر را بدانجا برد و بدیشان سپرد و ضحاک کسان فرستاد و آن گاو را بکشت و هرچه در آن نواحی ستور بود همه را به غارت بردند و همچنین افریدون در حجر عنایت الهی رعایت می‌یافت و در کنار دایهٔ توفیق و عصمت پرورش می‌دید. تا آنگاه که افریدون شانزده ساله شد و از مادر پرسید که پدر من که بود و حال او چه بود. مادر تمامت احوال با وی تقریر کرد. پس افریدون کمر کینه طلبی بر میان بست و مر آهنگر را بفرمود تا گرزی بساخت گاو سر و روی به بابل نهاد و جمعی بر وی گرد آمدند و کار ضحاک در هم شده بود و سبب آن بود که روزی متظلمی به در سرای آمد کاوه نام و گفت مردی حدادم و گویی از مادر برای جور تو زاده‌ام. پیش از این به چند روز یک پسر مرا برای ماران کشته‌اند. هنوز آن جراحت تازه است که پسر دیگر مرا برده‌اند و به موکلان سپرده. این چه ظلم است که بر خلق خدای گشاده‌ای،و

این چه تیغ جور است که بر بندگان حق کشیده. پس از سرای او بیرون آمد و ندای مستغاث در داد و گفت که: ای اهل بابل و ای مظلومان بی‌حاصل، چرا تن در زبونی داده‌اید؟ چون همه رایگان و دوگان بخواهد کشت. باری به نامردی چرا کشته می‌باید شد؟ پس آن چرم را که در وقت آهنگری بر میان بستی تا از شرر آتش ضرری به تن او نرسیدی بر سر چوبی کرد و غوغای بسیار بر وی جمع شد و به در سرای ضحاک آمدند و ضحاک خواست که با آن جماعت حرب کند. خلق از وی نفور شده بودند و از ظلم او سیر آمده. کسی یاری نداد. تا به حکم اضطرار قارن را که فرزند کاوه بود بار داد و بدان سبب غوغا دانستند که او ضعیف است و تبعی ندارد و سری می‌طلبیدند که لایق سروری باشد. تا ناگاه آفتاب افریدون از مطلع اقبال طلوع کرد و خلق چون او را بدیدند، هیبت و شکوه او در دل‌ها افتاد و چشم‌ها از مشاهدهٔ خورشید جمال او خیره شد و همه پیش او سجده کردند و زمین ببوسیدند. او جمله را بنواخت و با کاوه و قارن به در سرای ضحاک آمد و ضحاک را بگرفتند و چنانکه در خواب دیده بود بدان گرز آهنگ او کرد و به یک روایت آن است که سر او را بدان گرز بکوفت و گفت ترا به قصاص پدر خود نمی‌کشم، بلکه به قصاص آن گاو می‌کشم که دایه من بوده است و به شیر او پرورده شده‌ام و به روایت دیگر آن است که از پشت او دوالی کشید و او را بدان دوال ببست و در کوه چاهی بود که او را در آن چاه انداخت و ارباب تواریخ گفته‌اند که ملک او هزار سال کم یک روز

بوده است. بیت:

گر بر دل تو زمانه کین توز آید　　بر رنج ز صبر مـرد پیـروز آیـد
ضحاک چو رفت افریـدون آیـد　　چون شب برود هر آینه روز آید

ذکر پادشاهی افریدون

آورده‌اند که چون دل‌ها از کار ضحاک فراغ یافت و امن و امان که رفته بود تازه شد و آیینهٔ فراغت که زنگ زده بود جلا یافت، افریدون بر تخت نشست و بر سریر سلطنت استقرار یافت و آن اوّل روز بود از مهر ماه که اوّل وقت جوانی روزگار باشد و خلق آن روز عیدی کردند و موسم شادی‌ها گشت و مر آن روز مهرجان خواندند. یعنی مهرجان که در ایام ظلم ضحاک بشده بود باز آمد.

پس افریدون بر تخت سلطنت نشست و خورشید اقبال از مطلع خود طالع شد و حق در نصاب خویش قرار گرفت و معارف حشم و مشاهیر رعایا را استدعا فرمود و بر قاعده خویش به ترتیب بنشاند و هر یک را به مواعید خوب مستظهر گردانید و از قهر ضحاک ناپاک مر ایشان را تهنیت گفت و همه را به حسن رعایت و فیض عنایت خویش بشارت داد و ملک را اساسی نهاد و قواعد ظلم را که در ایام ضحاک ممهد شده بود منهدم گردانید و کاوه و پسر او قارن را بخواند و به زیادت اعزاز و اکرام مخصوص گردانید و بفرمود تا خزاین را بر وی نمودند که هرگز هیچ چشم ندیده بود و هیچ گوش نشنیده بود و در خزینه آن دید از نفایس جواهر و اجناس ذخایر که

هرگز وهم او بدان محیط نشده بود و خیال تمنی بدان نپیوسته و در آن میان بارهای لعل بود و یاقوت مانند جمر افسرده، یا چون گره شده و دانه‌های مروارید، در تناسب چون دندان خوبان و در تقارب چون قطرهای باران. پس فرمان داد تا آن چرم پاره که آن روز کاوه بر سر چوب کرده بود بیاوردند و از آن جواهر نفیس در وی ترصیع فرمود و آن را به فال گرفت و علمی بزرگ ورایتی شگرف ساخت و آن را درفش کاویانی خواندند و ملوک آن را غیر نیز داشتندی و به فرو خجستگی و فتح و سروری، آن داشتندی و از پس هر پادشاه که به جای وی بنشست در آن زیادت تکلف فرمود و جواهر قیمتی در آرایش آن به کار می‌بردند. تا به حدی رسید که جمله مقومان از تقویم و قیمتش عاجز آمدند. تا در فتح قادسیه که هنگام کسوفِ آفتابِ دولت اکاسره بود، مردی از لشکر سعد وقاص آن را بگرفت و در جمله غنایم به حضرت امیرالمؤمنین عمر رضی الله عنه آوردند و آن را بگشادند و بر مسلمانان قسمت کردند و آن همه جواهر را خدای عزوجل روزی متابعان محمد گردانید.

ذکر پادشاهی نوذر

چون منوچهر خویشتن را به نقاب خاک بپوشانید، پسر او نوذر به جای پدر نشست و فتنه‌ها برخاست. گفتی مگر روز برفت و شب آمد، یا صحت برفت و تب آمد. باد دولت افراسیاب در جنبید و شوکت و قوت او کار بر ایرانیان مضطرب گردانید و لشکر، نوذر را

خلاف کردند و پهلوانان که روی کار او بودند پشت بدو آوردند. تا به سوی سام نامه نوشت و از وی مدد خواست و به عدت وی استظهار طلبید و سام به خدمت شتافت و چون حسن عهد به جای آورد و شکر نعمت منوچهر را در معاونت فرزندی بگذارد، چون خبر رسیدن به نوذر رسید، جملگی لشکر به استقبال او رفتند و او را خدمت کردند و سام مر ایشان را ملامت کرد که چرا دم خلاف می‌زنید و در وفا می‌گزارید. ایشان از نوذر گله‌ها کردند و رسم‌های بد او را باز راندند که کارها فرو می‌گزارد و ناکسان را بر می‌کشد و بزرگان را خوار می‌گرداند و اندیشهٔ هیچ کار نمی‌دارد و در هیچ مصلحت ملکی طریق حزم نمی‌سپرد و ما تا این غایت متابعت او که واجب دیده‌ایم به جهت رعایت حق پدران وی بوده است و اگر نه لایق ریاست دهی نیست. کار پادشاهی خود بزرگ است و اکنون صلاح کار در آن دیده‌ایم که ما جمله ترا مطیع و فرمان برداریم. کمر متابعت تو می‌بندیم و دست به متابعت تو بر گشاییم. تاج پادشاهی ترا می‌رسد. تاج بر سر نه تا ما متابعت تو کمر بندیم و در دفع خصم کوشیم و نوذر را به موضعی نزه و جایگاهی خرم فرستیم و هر کس را که دلش خواهد در خدمت او مرتب گردانیم، تا به مراد خود زندگانی می‌کند و عیش مهنا می‌گزارد و این ملک و دولت در سایهٔ حمایت تو به سلامت بماند و افراسیاب به کم نرسد و زن و فرزند ما اسیر نشوند.

سام چون این فصول بشنید دل تنگ شد و گفت: آنچه گفتید

نیک است، فاما رای صائب آن باشد که در تقویم و تهذیب او کوشیده آید. چه بزرگان گفته‌اند که هرچه تباه شود اگر آن را برون اندازی و از میان برون بری، مناسب خرد و کیاست نباشد، بلکه لایق خرد و کیاست آن باشد که تباه شده را به تدبیر صائب و صلاح آری. پس مصلحت آن است که او را ملامت کنیم و زشتی افعال وی به وی نمائیم و پیران کار دیده و تجربت یافته را در خدمت او ممَّکن گردانیم و او را به اشفاق و نصیحت، غم کار او می‌خوریم، تا مگر خدای عزوجل او را هدایتی دهد و بر ما رحمت کند.

پس سام پیش خدمت نوذر رفت و نوذر شرط تعظیم او بجای آورد و او را با خود بر تخت نشاند و حق پیری و حرمت او رعایت کرد و یک چندی که فرو حشمت سام بر سر وی بود، کارهای وی نیکو رفت و خلل‌ها تدارک یافت و امور ملک وی روی به نظام نهاد؟ و نزدیک آمد که رونق ایام منوچهر و افریدون گیرد، اما به حکم آسمانی و کوشش انسان مفید نیست. سام را به طرف سیستان دل نگرانی افتاد و به ضرورت دستوری خواست و برفت و چندانکه او برفت امور ملک بکل پریشان شد و آفتاب دولت او فرو شد و افراسیاب با لشکر جرار قصد ایران شهر کرد و آن را خراب گردانید، چنانکه تقریر کرده آید.

حکایت

گوید که چون رستم اسفندیار را بکشت، نامه‌ای نوشت به درد دل

مشحون، به حضرت گشتاسب و عذر آن حال تقریر کرد و گفت من بی‌گناه بودم از آنچه رفت. چه سخت بسیار کوشیدم با او تا از طریق جفا به راه وفا گراید، مفید نبود و چون نامه به گشتاسب رسید از آن فعلِ بد پشیمان شد و جهان بر چشم او تاریک گشت و رشتهٔ حیات او باریک شد. چون نامه رستم بخواند و پشوتن به حقیقت آن حال گواهی داد، عذر رستم قبول کرد و بهمن را اسفندیار به رستم داده بود، تا او را می‌پرورد. گشتاسپ جواب نامه کرد به رستم، تا بهمن را باز فرستد و بسی بر نیامد که گشتاسب از دست فنا به دست بقا رحلت کرد، بعد از آنکه صد و شصت سال ملک رانده بود و مر بهمن را ولی عهد خود گردانید و تاج و تخت به وی سپرد و بهمین سیرت خوب و رسم نیکو آورد و جهان‌آباد کرد و دل‌ها شادان گردانید و دین زردشت را بالا داد و اطراف جهان را بگرفت و قصد سیستان کرد و گفت برادر رستم شغاد اگر رستم را نکشته بودی، من کین پدر خود از وی بخواستمی و اگرچه او زنده نیست و اما اصل و فرع او را نیست کنم و کرگسان را از اشخاص آن نا کسان مهمانی ترتیب کنم و چون نزدیک سیستان رسید زال پیش او باز آمد و او را خدمت کرد و گفت: پادشاه را در برانداختن من شمشیر رنجه نباید کرد که هم اکنون دست پیری مرا از پای در خواهد افگند و غرض تو بی‌بدنامی برآید و اگر نیز صلاح و صواب در آن می‌بینی سر را بر گردن نهاده پیش خدمت آوردم. بیت:

گر مصلحت کار تو در کشتن ماست بشتاب که مصلحت توقف نبرد

پس بهمن را رقت آورد و از وی عفو کرد و فرامرز که پسر رستم بود به محاربت پیش آمد و جنگ‌ها کرد و آخرالامر منهزم و مقهور گشت و به بدترین روی‌ها کشته شد و بهمن صد و چهارده سال ملک راند و آخرالامر نامهٔ فنا بخواند.

ایام عمر بهمن اگرچه بهار بود　　آخر ز جور گردش افلاک تیره گشت
هر چند بود روشن چشم جهان بدو　　هم عاقبت ز میل فنا چشم خیره گشت

خطوطِ غالب

مرزااسداللہ خان غالب ۸ رجب ۱۲۱۲ہجری یعنی ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے والد کا نام عبداللہ بیگ خان تھا اور دادا کا نام قوقان بیگ خان تھا۔ مرزا کے والد سپاہ گری کرتے تھے اور وفات کے وقت راجہ بختاور سنگھ والئ الور کے ملازم تھے۔ ان کی وفات کے وقت غالب کی عمر پانچ برس تھی، ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا نصراللہ بیگ خان نے ان کی کفالت کی۔ مرزا تورانی نسل تھے، اُن کے آبا و اجداد ترک قوم کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سمرقند کے رہنے والے کھیتی باڑی یا سپاہ گری کرتے تھے۔

غالب از خاک تورانیم لاجرم در نسب فره مندیم

غالب نے دو زبانوں یعنی فارسی و اردو میں اپنے تخیلات و تفکرات کا اظہار کیا ہے، خواہ وہ نظم ہو یا نثر۔ ظاہر ہے کہ دونوں کلام پر غالب کی شخصیت کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ لیکن غالب کو اپنے فارسی کلام پر زیادہ ناز تھا۔

پارسی بین تا به بینی نقش‌های رنگ رنگ
بگذر از مجموعه اُردو که بی‌رنگ من است

غالب بلا شبہ اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں اور ان کی اردو نثر کو بلند مرتبہ حاصل ہے، نثر خصوصاً خط میں ابلاغ کی اہمیت کا احساس اور مخاطب کی دلچسپی کا انہیں پورا خیال رہتا ہے۔ ان کے خطوط کے ذریعہ ان کی شخصیت کے سبھی گوشہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیکن فارسی شاعری میں اپنا الگ مقام ہونے کے باعث ان کی شاعری فکر و فلسفہ کی شاعری معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح فارسی خطوط میں زبان و بیان اور موضوع کی جو برجستگی نظر آتی ہے وہ نہایت دلکش ہے۔ نثر میں انہوں نے قافیہ پیمائی بھی کی ہے، آسان نثر بھی لکھی ہے۔ اپنی نثر کو دلکش اور مزیدار بنانے کے لئے اس میں داستان گوئی کا رنگ بھی پیدا کیا

ہے۔ ان کے فارسی مکاتیب مکالمہ کے انداز میں لکھے گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ مخاطب سامنے موجود ہے۔ ان کے فارسی مکاتیب اعلیٰ نثری خصوصیات کے حامل ہیں۔ خطوط میں ان کی شخصیت کی جھلکیاں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ خطوط کے القاب وآداب بالکل نئے نظر آتے ہیں جو روایتی انداز سے ایک دم جدا ہیں۔

خطوط کے ساتھ ساتھ دیگر نثری تألیفات بھی غالب کی فارسی دانی کی مثال ہیں۔ اُردو کے مقابلے میں فارسی کو ترجیح دینے کی ان کی سوچ ان کی فارسی نثر میں جگہ جگہ موجود ہے۔ بحیثیت مجموعی غالب کی فارسی نثر نگاری میں مکالماتی انداز' شاعرانہ پیرایہء بیان اور مقفّٰی و مسجع عبارت آرائی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے یہاں تراکیب، تشبیہات اور استعارات کی ندرت موجود ہے۔ انہوں نے فارسی محاورات کو بھی کثرت سے برتا ہے، یہ دراصل ان کے غیر شعوری طور پر پھیلے ہوئے اجتماعی لسانی تجربے میں مشارکت کا نتیجہ تھا کیونکہ ان کے فارسی اسلوبِ نثر پر «سہ نثر ظہوری» اور «انشائے ابوالفضل» کے اثرات بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔ فارسی نثر میں غالب کی چار باقاعدہ تصانیف ہیں۔

۱. پنج آہنگ؛ ۲. مہر نیم روز؛ ۳. دستنبو؛ ۴. قاطع برہان/درفشِ کاویانی۔

پنج آہنگ: یہ پانچ حصوں پر مشتمل غالب کی متفرق فارسی تحریروں کا مجموعہ ہے۔

مہر نیم روز: تیموری خاندان کی تاریخ ہے جو غالب نے بہادر شاہ ظفر کی فرمائش پر رقم کی۔ غالب نے اس تاریخ کو دو حصوں میں شائع کرنے کا قصد کیا تھا۔ پہلے حصہ کو نصیرالدین ہمایوں کے عہد تک مرتب کرکے «مہر نیم روز» کے نام سے شائع کیا گیا۔ جبکہ دوسرے حصے کو اکبر آعظم سے بہادر شاہ ظفر تک کے حالات کے ساتھ «ماہِ نیم ماہ» کے عنوان سے ترتیب دینا چاہتے تھے لیکن شاید جنگِ آزادی کے بعد کے حالات سے مایوس ہو کر وہ نہ تو یہ حصہ لکھ سکے اور نہ ہی منظر عام پر آسکا۔

دستنبو: یہ کتاب غالب نے ۱۸۵۷ء کے خونی ہنگامے کے تناظر میں ایک مختصر روز نامچہ

کی حیثیت سے رقم کی تھی

قاطع برہان: مشہور لغت «برہان قاطع» مولفہ محمد حسین دکنی کی اغلاط کے بارے میں ہے۔ غالب لغت نویسی کے اصول سے واقف تھے اس لئے «قاطع برہان» کا جواب «برہان قاطع» کے نام سے ۱۸۶۲ء میں دیا، اس کتاب کے چھپتے ہی بہت سے اعتراضات ہوئے اور کئی دوسری کتابیں لکھیں گئیں۔ جن میں محرق قاطع تالیف منشی سعادت علی، ساطع برہان مولف رحیم بیگ وغیرہ خاص ہیں۔

خطوط نجم‌الدوله نواب اسدالله خان غالب

پنج آهنگ: آهنگ پنجم

۱. نامه به نام نامی نواب سید علی اکبر خان متولی امامزاده هوگلی بندر

قبلهٔ خداپرستان سلامت. ممدوح از ستایش مستغنی و مادح در بیان نارسا، غلو در عرض نیاز فضولی و ابرام در شرح شوق بدنما. چه گویم تا آبروی خموشی نریزد و چه نویسم تا داغ کوته قلمی برخیزد. همانا این عبودیت نامه را قماش سلام روستائی است و دائره هر حرفش را پرواز کاسهٔ گدائی. لختی شکم بنده‌ام و قدری ناتوان، هم آریش خوان جویم و هم آرامش جان. خردوران دانند که این هر دو صفت به آئینه اندر است و اهل کلکته برآنند که قلمرو آینه هوگلی بندر است. آری آئینه از هوگلی و گل از گلشن، ایثار از جناب و سپاس از من. شوق می‌سگالد که هر آینه تا پایان فصل دو سه بار به خاطر ولی نعمت خواهم گذشت و آز می‌نالد که حاشا بدین مایه برخورداری خرسند نخواهم گشت.

گلویم تشنه و جان و دلم افسرده هی ساقی
بده نوشینه دارویی کـه هم آتش هم آبستی

نخل مراد هم بارور باد و هم سایه گستر؛ آن به آرایش دامان نگاه و این به فرق غالب هوا خواه.

۲. خطی که در تهنیت شادی منشی احمد حسن به منشی محمد حسن نگاشته شد

حضرت سلامت، می‌دانند که غالب صافی مشرب را چون دیگران دل به ساختگی آشنا و زبانی به تکلف زمزمه سرا نیست. زبانش را دلی داده‌اند که از آزادگی فرجام آرایش گفتار ندارد؛ دلش را زبانی بخشیده‌اند که از سادگی تاب رنگ‌آمیزی افسانه و افسون نیارد و اگر نه این چنین بودی من دانم و دل که در این چشم روشنی که پیش آوردهٔ دولت و ساز کردهٔ اقبال است، از اقسام سخن چه‌ها به کار رفتی. هم در و دیوار روزگار را به سر جوش بهار اندودمی و هم گوشه و کنار گیتی را به فروغ نیّر بخت چراغان نمودمی. تار از طرهٔ حور و پود از بال پری آوردمی و نو آیین نمطی در هم بافته به آن همایون انجمن گستردمی. بر طرف سباط محفل میوه و گل از طوبی نشاندمی و زهره را به رامشگری و رضوان را به مهمانی خواندمی. گاه از اشتلم رشک زیبائی آیینی که به شبستان نظام بستمی مهر درخشان را از شعاع آبگینه در جگر شکستمی و گاه از نشاط میخانه ذوقی که از رگ رزستان نثر گشادمی، باده پیمایان طرب را کوثر و تسنیم به گلو سردادمی. در چشم خیالم به هر گوشه از دل، پریزادِ معنی، گرم بال افشانی است همانا گردی که از حاشیهٔ بساط این بزم

می‌روبند، سرمهٔ سلیمانی است، بنامیزد آرایش این بزم طوی گرد غم از دل شوی را نازم و رونق این هنگامهٔ مینوبار نامه را ستایم. اکنون پدید آمد که زهرهٔ عشق رامش خامه از بهر گرمی کدام محفل می‌کرد و مشتری متاع سعادت و تیره، از برای صرف کدام روز می‌اندوخت. مهر آئینه به امید مشاهدهٔ جمال که می‌زدود و چرخ گوهرین پروین به تمنای نثار که نگاه می‌داشت. از چه بود که آفتاب به ساختن یاقوت این همه خون جگر می‌خورد و چه در سر داشت که ابر به گرد آوردن مروارید این مایه قطره می‌زد. اندیشه بسراپای این گمان نپیچد که آنچه من می‌گویم آن است که گفته باشم، بلکه سخن در فراوانی دستگاه ذوق می‌رود و از روشنی که خاصه طبع سخنور است نشان داده می‌شود تا دیده‌وران فرا رسند و مخدوم من که چشم و چراغ آن قدسی گروه است، وارسد که نگاه‌داشتن اندازهٔ سخن که آزادگی را ایمان است و ادب را زیور، با همه جوشی که دل می‌زد زبان را به گفتار دستوری نداد. از لبِ خیر طلب جز زمزمه دعایی که مفتاح باب تهنیت و کلید در خجستگی همایون تواند بود نپسندید. یارب این کتخدایی از سازگاری به جاودانه کامرانی ارزانی باد و نوید شادمانی‌های تازه و فیروزی‌های بی‌اندازه رساناد.

برادر عالی قدر از جان گرامی‌تر میرزا علی بخش خان بهادر به تقدیم مراسم خلعت سلام نیاز می‌رسانند و در گزارش شیوهٔ چشم روشنی و عرض مراسم تهنیت با نامه نگار هم زبانند.

۳. نامه‌ای که از دهلی به نام میرزا علی بخش خان بهادر رقم شد

کار برادر بـه بـرادر نکوسـت به ز برادر نتوان یافت دوست

هر چند شیوهٔ من نیست در گفتن اندوه دراز نفسی کردن و شنونده را دل به درد آوردن؛ لیکن چون شما هم برادرید و هم دوست، ناچار به شما می‌گویم که یک چند به امید نواب صاحب ساختم و از تاب آتش انتظار گداختم؛ نشسته‌ام به عذابی که مجرم به زندان نشیند و می‌بینم آنچه کافر به جهنم بیند. به فیروزپور از بهر آن نیامده بودم که یارم به دهلی باید آمد. نواب صاحب مرا به لطف زبانی فریفتند و به کرشمهٔ ستمی که به التفات می‌مانست، از راه بردند. تا کجا شکیب ورزم و خود را به هیچ شادمان دارم. از در و دیوار شاهجهان‌آباد بلا می‌بارد. روزم از تیرگی چرا شب نشود! حاشا که چون من شیشه دلی در این سنگباران تواند بود. میر امام علی را به سخن دلیری بخشید. در طلب مدعا آن مایه گرم خون نیستم که خواهشِ منِ جگر گوشه ابرامی باشد. یاران می‌گفتند که تو به نواب نمی‌گرایی و درد دل باوی نمی‌گویی ورنه از کجا که نواب به چاره بر نخیزد و کارها را روانی ندهد. اینها که میکنم از بهر زبان بندی این ادا ناشناسان است. خدا را، طرح آن افگنید که میر امام علی زود بر گردند و به من بپیوندند تا دوستان ناصح را خیرباد گویم به سرو برگی که ندارم به شرق پویم والسلام.

۴. ایضاً

برادر صاحب مهربان گرامی‌تر از جان سلامت. مداری خان می‌رسد و نامه را می‌رساند. آنچه از کالای ناروای من در آنجا باشد به وی بسپارند و نیز آنچه نزد مناحقه بردار ودیعت است، هم به نام گرفته بدهانند. شنیده می‌شود که نواب به دهلی می‌آیند. باری از صدق و کذب این خبر رقم کنید و آگهی دهید که شما نیز هم پای نواب می‌رسید یا نه. من آن می‌خواهم که اگر خبر عزیمت نواب دروغ بوده باشد خود به فیروزپور رسم و شرف قدمبوس عم عالی مقدار و مسرتِ دیدارِ شما در یابم، عمر و دولت روز افزون باد.

۵. ایضاً از کلکته

والد برادر خجسته اختر که ا این همه دوری چشم دلش به سوی من نگران است در یابد که غالب رهرو را روزگار بادیه نوردی سر آمد و رخت سفر به سر منزل کلکته گشوده شد؛ چه کلکته جهانی از هر گونه کالا مالا مال. جز چارهٔ مرگ هرچه گویی پیش هنر و دانش سهل و جز بخت هرچه خواهی به بازارش فراوانی.

فرود آمدنِ جای من کاشانه‌ای است به شمله بازار که آن را روز ورود همان هنگام ورود بی‌زحمتِ جستجو یافته‌ام. بالجمله ایزدی نوازش است از خواب خوش برخاسته و روی ناشسته، به درگاه آمده را در چشم و دل فرماندهان جای داد و در انجمن پایه از خواهش برتو بخشید. مستر اندرو استرلنگ نامی از اعیان کونسل درد

دل دردمند شنوی و به خستگی بند غم مرهم نهی به بیکسی‌های من بخشوده است. هر چند دل که عمری به ناامیدی خوی کرده است یک باره پیوند ارزم و بر این آمیزش نتواند گسیخت لیکن اگر این جوانمرد توانا دل به جاه وی تأثیر کام بخشی میانهٔ من و یأس طرح جدایی جاوید افکند، شگفت نیست.

میر فضل مولی خان نام یاری داشتم او را ناگرفت در عرض راه به مرشدآباد یافتم در نود گفتگوهایی و پرس و جوهایی که رفت از جامه گذاشتن فخرالدوله بهادر به من خبر داد و باز به کلکته میرزا افضل بیگ و دیگران بر گفتند آوخ که چراغ روشن این دودمان مرد و شبستان آرزوها تیره و تار شد. از جانب شما اندیشه ناکم و دانم که آنچه شما را پیش آید دلخواه نباشد. ناکسان را روز بازار خواهد بود و فرومایگان را گرمی هنگامه. زود که انجمن از هم پاشد و پراگنده‌ای چند گرد آیند، دولت روی گرداند و آسودگی برخیزد. زینهار هوشمندی را کار باید بست و همواره به خود نگران باید بود. دیگر آن خواهم که در نگارش پاسخ این نامه درنگ روا مدارید و هرچه در آنجا از این گیتی آشوب ماتم پدید آمده باشد بر نگارید. عمر دراز و بختِ سازگار و دانشِ سودمند روزی باد.

۶. به نام مولوی محمد صدرالدین خان بهادر

صدرالصدور قبلهٔ حاجات، امروز پس از گذشتن نیمه روز که هنگام گزاردن فریضه ظهر فراز آمده بود چون دولت به سجود قدسی آستان

رسید ستم و چون درِ دولتکده فراز بود حلقه بر در زد ستم پیش از آن که حلقهٔ در از جنبش آرامد، یکی از حلقه بگوشان آن سلسله که با من خواجه تاشی و با سعادت هم قماشی داشت، بر درآمد و نوا بر آورد که شمع اقبال دیوان مظالم روشن است و وجود مسعود سهیل آن یمن؛ ناچار از خود رفتم و پس از دیری خود را به غمکده همچنان آرزومند یافتم، همانا آن پرستار، در آن بر آمدن کام دل دشمن بود و من در این برگشتن بخت خویشتن.

۷. مکاتبه درجواب خط نواب مصطفی خان بهادر

سبحان الله،صیادان عنقا شکار که عارف حقیقت ذات‌اند، آگهی را این دانه به دام افگنده‌اند که هیچ چیز بی‌افاضهٔ وجود مطلق رنگ هستی نپذیرد و هرچه فروغ هستی آن را فرو گیرد جوهری گردد فروزنده و نورانی که برق پیدایی از سیمای وی آشکارا تابد و تیرگی نیستی هیچ گونه در وی راه نیابد و چون چنین است از چیست که از این دو صفت که هیچی و ناتمامی گفته شود نخستین را سر و بن پیدا نیست و دومین به اندازهٔ دستگاه کرم از گنجینهٔ فیص نمود بهره ربا نیست. آن را ورق از انگارهٔ نمایش ساده و این را از پیدایی همان نقش، نیم رخ در کار. اگر فیض هستی عام است و چنانکه وا نموده‌اند تمام است، بایستی هیچی نشاط، همگی بر گرفتی و ناتمامی به تمامی نام آوردی. بالجمله سر رشته خیال از دیرباز گرانبار زحمت عقدهٔ این تأمل بود و میانهٔ من و خرد در این پرده، سخن‌ها می‌رفت؛

تا سپیده دمی از شیدستان، روز نه به روی دل گشودند. نیر آگهی بدرخشید. اندر آن روشنائی سر این رشته به دست افتاد که هیچی در اصل وجود پایهٔ همگی داشت. چون همه آن را به من باز گرد آمدند فرجامِ هست و بود برخاست و از وی خبر هیچ نماند. همچینین ناتمامی در نفس خویشتن تمام بوده است، چون بسیاری به من از آن رسید، از آنچه بود بکاست و به ناتمامی انگشت نما شد، یارب چه شگرف کسم که در هیچی همه‌ام و در ناتمامی تمام. در سبکی گرانم و در برشتگی خام. دل دردمند است و چاره جوی؛ زبان خود پسند است و دراز گوی؛ مگر از سر راز گویی، بر خیزم و سنگریزه‌ها از رهگذر اندیشه بر چینم تا سخن را پای به سنگ نخورد و در خود از این جانگدازتر چه خواهد بود که تا دکانم را در گشاده بود و رنگ رنگ متاع سخن به روی هم نهاده، کس از مشتریان حلقه بر در نزد.

احوال و آثار سید علی ہجویری

مصنّف «کشف‌المحجوب»

شیخ سید ابو الحسن علی ہجویری، کنیت ابو الحسن لیکن عوام و خواص سب میں «گنج بخش» یا «داتا گنج بخش» (خزانے بخشنے والا) کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۴۰۰ ہجری میں غزنی شہر سے متصل ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عثمان جلابی ہجویری ہے۔ جلاب بھی غزنی سے متصل ایک دوسری بستی کا نام ہے جہاں سید عثمان رہتے تھے۔ علی ہجویری، حضرت زید کے واسطے سے امام حسین کی اولاد سے ہیں۔

داتا گنج کے اساتذہ میں شیخ ابو العباس اشقانی، شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی، شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری، شیخ ابو القاسم بن علی بن عبد اللہ الگرگانی، ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف داستانی بسطامی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد مہینی اور ابو احمد مظفر بن احمد بن حمدان کے نام ملتے ہیں۔

طریقت میں آپ کے پیشوا شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی ہیں۔ ان کے حالات قلمبند کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طریقت میں میری اقتداء آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ساتھ ہے۔ تفسیر، حدیث اور تصوف تینوں کے آپ عالم تھے۔ تصوف میں آپ حضرت جنید کے مذہب پر تھے۔ حضرت شیخ حضرمی کے مرید اور حضرت سروانی کے مصاحب تھے۔ کسب روحانی کے لیے شام، عراق، فارس، آزربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا۔ ان ممالک میں بے شمار لوگوں سے ملے اور ان کی

صحبتوں سے فیض حاصل کیا۔ صرف خراسان میں جن مشائخ سے آپ ملے ان کی تعداد تین سوکے قریب ہے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان میں تین سو اشخاص ایسے دیکھے ہیں کہ ان میں سے صرف ایک سارے جہان کے لیے کافی ہے۔

علی ہجویری اپنے مرشد کے حکم سے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیئے سلطان محمود غزنوی کے بیٹے ناصر الدین کے زمانے ۱۰۳۰تا۱۰۴۰ء میں لاہور تشریف لائے۔ آپ سے پہلے آپ کے پیر بھائی حسین زنجانی اس خدمت پر مامور تھے۔ اس لیے جب آپ کو لاہور آنے کا حکم ہوا تو آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ وہاں حسین زنجانی موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے؟ لیکن شیخ نے فرمایا، نہیں تم جاؤ۔ فرماتے ہیں کہ میں رات کے وقت لاہور پہنچا اور صبح کو حسین زنجانی کا جنازہ شہر سے باہر لایا گیا۔ آپ نے ہندوستان کے دوسرے حصّوں کا بھی سفر کیا۔

آپ کی وفات کی تاریخ کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سفینۃ الاولیاء میں دار شکوہ نے وصال باکمال ۴۵۴ یا ۴۶۴ ہجری ذکر کیا۔ غلام سرور لاہوری نے خزینۃالاولیاء میں تاریخ وصال ۴۶۴ یا ۴۶۶ ہجری ہے۔ اے، آر نکلسن مترجم کشف المحجوب کے نزدیک وصال باکمال ۴۶۵ یا ۴۶۹ ہجری کو ہوا۔

شیخ نے حسب ذیل کتب کی تصنیف فرمائیں، لیکن اب کشف المحجوب کے سوا کوئی اور کتاب نہیں ملتی۔

۱. کشف المحجوب ۲. کشف الاسرار

۳. منہاج الدین (یہ کتاب اصحاب صفہ کے مناقب پر تھی)۔

۴. الرعایۃ الحقوق اللہ ۵. کتاب الفناد

۶. اسرار الخرق المؤنات ۷. سحر القلوب

۸. کتاب البیان لاہل العیان

داتا گنج کو شعر وشاعری سے بھی دلچسپی تھی اور دیوان بھی تھا۔ کشف المحجوب میں اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ دوسروں کی تصانیف کو اپنے نام سے منسوب کرکے شائع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے میرے شعروں کا دیوان دیکھنے کے لیے مانگا اور پھر واپس نہیں کیا۔ اور اس کے شروع سے میرا نام محو کرکے اپنے نام سے پیش کر دیا۔ چونکہ دیوان کا یہی ایک نسخہ تھا جو وہ لے گیا۔ اس لیے میں کچھ نہ کر سکا اور اس نے میری محنت کو برباد کر دیا۔

کشف المحجوب کی ارزش واہمیت

کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے[1]، جو مقبولیت وپزیرائی اس کتاب کو نصیب ہوئی، وہ اس موضوع کی کسی اور فارسی میں لکھی جانے والی کتاب کے حصّے میں نہیں آئی۔ کشف المحجوب کو صوفیہ کرام کے مشہور و مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر کتابوں کا مآخذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار (م ۶۲۷ھ) نے اپنی معروف ترین کتاب تذکرۃالاولیاء میں کشف المحجوب سے صوفیہ متقدمین کے حالات اور ان کے اقوال معمولی تبدیلی الفاظ کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ ملک الشعرا بہار نے لکھا ہے:

"عطار ظاهراً از کتاب کشف‌المحجوب استفاده کرده است و

---

۱. اگرچہ (کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف) عربی تالیف ابو بکر بخاری کلابادی قدس سرہ (م ۳۸۵ھ یا ۳۹۰ھ) کی نفیس فارسی شرح بنام (شرح تعرف) تالیف امام ابراہیم بن اسمٰعیل بن اسمٰعیل بخاری قدس سرہ (م ۴۳۴ھ) جو ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں پہلی بار لکھنو سے طبع ہوئی۔ کشف المحجوب سے پہلے لکھی گئی تھی۔ مگر یہ مستقل تصنیف نہیں بلکہ عربی متن (تعرف) کی فارسی شرح ہے۔ (ترجمہ اردو کشف المحجوب، سید محمد احمد قادری، ص ۲۶)

غالباً عبارت آن بدونِ ذکرِ خود کتاب یا مؤلف با اندک تثرفی که تبدیل کهنه به نو باشد نقل نموده است"[۱].

ملک‌الشعرا بہار نے اپنی کتاب «سبک شناسی» میں اس کی واضح مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اسی طرح مولانا جامی نے «نفحات‌الانس» میں چند بزرگوں کے حالات کشف‌المحجوب سے نقل کئے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کے حلقہ گوشان میں جو کتب شامل تھیں ان میں بھی کشف‌المحجوب اہم تھی۔ ضیاالدین برنی نے لکھا ہے:

"اشراف و اکابر که به خدمت شیخ پیوسته بودند در مطالعه کتبِ سلوک و صحائف احکام طریقت مشاهده می‌شد و کتاب قوت‌القلوب و احیاءالعلوم و ترجمه احیاءالعلوم و عوارف و کشف‌المحجوب و شرح تعرف و رسالهٔ قشیری و مرصاد العباد و مکتوبات عین‌القضاه و لوائح و لوامع قاضی حمیدالدین ناگوری و فوائدالفواد امیر حسن را به واسطهٔ ملفوظاتِ شیخ خریداران بسیار پیدا آمدند و مردمان پیشتر از کتابان از کتب سلوک و حقائق باز پرس کردند"[۲].

شہزادہ داراشکوہ (م ۱۰۶۹ھ) سفینۃ‌الاولیاء میں رقمطراز ہیں:

"حضرت علی هجویری را تصنیف بسیار است امّا کشف‌المحجوب مشهور و معروف است و هیچ کس را بر آن سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف

---

۱. مقدمہ تذکرۃ‌الاولیاء، طبع تہران، بار سوم، ص ۸۔
۲. تاریخ فیروز شاہی، برنی، سر سید ایڈیشن۔

به خوبی آن در زبان فارسی کتابی تصنیف نه شده"[1].

کشف المحجوب کا پروفیسر نکلسن (وفات ۱۹۴۵ء) نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو پہلی بار ۱۹۱۱ء میں لندن سے شائع ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن چھپا۔ اس کے بعد ۱۹۵۹ء میں اور ۱۹۶۷ء میں بھی اس کے ایڈیشن شائع ہوئے، جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یہ کتاب یوروپی ممالک میں بھی کتنی مقبول ہے۔ اس کتاب کے اردو میں بھی بیس سے زائد ترجمے زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ فارسی زبان میں دس بار سے زیادہ تصحیح ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ جو اس کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔

---

۱. سفینۃ الاولیاء، طبع کانپور، ص ۱۶۴۔

کشف‌المحجوب

باب اثبات العلم[۱]

قوله تعالی فی صفة العلماء «إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ»[۲] و پیغمبر گفت صلی الله علیه وسلم: "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَي كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ"[۳] و نیز گفت علیه السلام: "اطلبوا العلم و لو کان بالصین" و بدانکه علم بسیار است و عمر کوتاه و آموختن جملهٔ علوم بر مردم فریضه نه چون علم نجوم و طب و علم حساب و صنعت‌های بدیع و آنچه بدین ماند، بجز از این علوم هریک بدان مقدار که به شریعت تعلق دارد. نجوم مر شناخت وقت را اندر شب و طب مر احتما را،و حساب مر فرایض و مدت حیض را و آنچه بدین ماند، پس فرایض علم چندان است که، عمل بدان درست آید و خدای عَزّ و جَلّ ذمّ کرد آنان را که علوم بی‌منفعت آموزند؛ لقوله تعالی: "وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ"[٤] و رسول علیه السلام زینهار خواست و گفت:

---

۱. کشف المحجوب مصحح والنتین ژوکوفسکی۔

۲. سورہ فاطر: آیت ۲۸۔ ترجمہ: اللہ کے بندوں میں خشیت الٰہی رکھنے والے علما ہی ہیں۔

۳. حدیث مبارکہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

۴. سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۲۔ ترجمہ: یعنی سیکھتے ہیں اُن علوم کو جو انہیں (اعتقادات و مذہبیات میں) نقصان پہنچاتے اور نفع رساں نہیں ہوتے۔

"اَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ"[1].

پس بدان که از علم اندک عمل بسیار توان گرفت و باید که علم مقرون عمل باشد کما قال علیه السلام: "اَلْمُتَعَبِّدُ بلا فقهٍ كَالْحِمارِ فی الطّاحونة"[2]. متعبدان بی‌فقه را به خر خرّاس مانند کرد که هرچند می‌گردد بر پی نخستین باشد و هیچ راه‌شان رفته نشود.

و از عوام گروهی دیدم که علم را برعمل فضل نهادند و گروهی عمل را برعلم و این هر دو باطل است از آن که عمل بی‌علم عمل نباشد. عمل آنگاه عمل گردد که موصول علم باشد تابنده بدان مر ثواب حق را متوجه گردد. چون نماز که تا نخست علم ارکان طهارت و شناخت آب و معرفت قبله و کیفیت نیت و ارکان نماز نبود، نماز نماز نبود. پس چون عمل به عین علم عمل گردد چگونه جاهل آن را از عمل جدا گوید؟ و آنان که علم را بر عمل فضل نهادند هم محال باشد که علم بی‌عمل علم نباشد. از آن که آموختن و یاد داشتن و یاد گرفتن وی جمله نیز عمل باشد. از آن است که بنده بدان مثاب است و اگر علم عالم به فعل و کسب وی نبودی وی را بدان هیچ ثواب نبودی.

و این سخن دو گروه است: یکی آنان که نسبت به علم کنند مر

---

۱. حدیث مبارکہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں علم بے منفعت سے۔

۲. حدیث مبارکہ: بغیر سمجھ اور علم کے عبادت گزاری کرنے والا ویسے ہی ہے جیسے چکی میں جتنے والا گدھا۔

جاه خلق را و طاقت معاملت آن ندارند و به تحقیق علم نرسیده باشند، عمل را از آن جدا کنند که نه علم دانند نه عمل؛ تا جاهلی گوید: قال نباید حال باید و دیگری گوید: علم باید عمل نباید.

و از ابراهیم ادهم رحمة الله می‌آید که گفت: سنگی دیدم بر راه افگنده و بر آن سنگ نبشته که مرا بگردان و بخوان. گفتا: بگردانیدمش و دیدم که بر آن نبشته بود که: انت لا تعمل بما تعلم فکیف تطلب مالا تعلم[۱]. تو به علم خود عمل می‌نیاری، محال باشد که نادانسته را طلب کنی. یعنی کاربند آن باش که دانی تا برکات آن نادانسته نیز بدانی و انس بن مالک گوبید، رضی الله عنه: همة العلماء الدرایة و همة السفهاء الروایة[۲]. از آنچه اخوات جهل از علما منتفی باشد آن که از علم جاه و عَز دنیا طلبد، نه عالم بود زیرا که طلب جاه و عزً از اخوات جهل بود و هیچ درجه نیست اندر مرتبه چون علم که چون آن نباشد یعنی علم، هیچ لطیفهٔ خداوند را تعالی نشناسد و چون آن موجود باشد همه مقامات و شواهد و مراتب را سزاوار باشد.

فصل: بدان که علم دو است؛ یکی علم خداوند تعالی و دیگر علم خلق و علم بنده اندر جنب علم خداوند تعالی متلاشی بود، زیرا که علم وی صفت وی است و بدو قایم، و اوصاف وی را نهایت

---

۱ تو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو پھر جس چیز کا تجھے علم نہیں وہ کیوں طلب کرتا ہے۔

۲. اہل علم کا سرمایہ غور و تعمق اور سمجھ بوجھ ہے جبکہ نادانوں کا سرمایہ محض روایت بیان کر دینا اور نقل کرنا ہے۔

نیست، و علم ما صفت ما است و به ما قایم و اوصاف ما منتها می‌باشد، لقوله، تعالی: "وَمَا اُوتِیتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِیلاً"[1] و در جمله علم از صفات مدح است و حدش احاطهٔ المعلوم و تبیین المعلوم است و نیکوترین حدود وی این است که: "العلمُ صفةٌ یصیرُ الحی بها عالماً"[2] و خدای عزّ و جّل گفت: "وَاللهُ مُحِیطٌ بِالْکَافِرِینَ"[3] و نیز گفت: "وَاللهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمٌ"[4] و علم او یک علم است که بدان همی‌داند جملهٔ موجودات و معدومات را و خلق را با وی مشارکت نیست و متجّزی نیست و از وی جدا نیست و دلیل بر علمش ترتیب فعلش که فعل محکم علم فاعل اقتضا کند. پس علم وی به اسرار لاحق است و به ظواهر محیط. طالب را باید که اعمال اندر مشاهدهٔ وی کند چنانکه داند که او بدو و به افعال او بینا است.

حکایت

همی‌آید که اندر بصره رئیسی بود. به باغی از آنِ خود رفته بود. چشمش بر جمال زن برزگر افتاد. مرد را به شغلی بفرستاد و زنرا گفت: درها در بند. گفتا: همهٔ درها بستم الا یک در که آن نمی‌توانم در بست. گفت: کدام در است آن؟ گفت: آن در که میان ما و میان

---

۱ سورۃ اسراء: آیت: ۸۵ (تم کو علم (تمہارے ظروف کے مطابق) قلیل دیا گیا ہے)
۲ (علم ایک ایسی صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے)
۳ سورۃ بقرا: آیت: ۱۹ (بے شک اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے)
۴ سورۃ نور: آیت: ۳۵ (اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے)

خداوند است جل جلاله. مرد پشیمان شد واستغفار کرد.

حکایت

حاتم الاصم گفت رضی الله عنه: چهار علم اختیار کردم، از همه عالم برستم. گفتند: کدام است آن؟ گفت: یکی آن که بدانستم خدای را تعالی بر من حقی است که جز من نتواند گزارد کسی آن را. به ادای آن مشغول گشتم. دوم آن که بدانستم که مرا رزقی است مقسوم که به حرص من زیادت نشود؛ از طلب زیادتی بر آسودم. سیم آن که بدانستم که مرا طلبی است، یعنی مرگ که از وی نتوانم گریخت، او را بساختم. چهارم آن که بدانستم که مرا خدایی است جّل جلاله، مطّلع بر من، از وی شرم داشتم و ناکردنی را دست بداشتم که چون بنده عالم بود که خداوند تعالی بدو ناظر است چیزی نکند که به قیامت از وی شرم دارد.

فصل: اما علم بنده باید که در امور خداوند تعالی باشد و معرفت وی و فریضه بر بنده علم وقت باشد و آنچه بر موجب وقت به کار آید ظاهر و باطن و این به دو قسم است: یکی اصول و دیگر فروع. ظاهر اصول قول شهادت و باطنش تحقیق معرفت؛ و ظاهر فروع برزش معاملت و باطن تصحیح نیت و قیام هر یک ازین بی‌دیگر محال باشد. ظاهر حقیقت بی‌باطن نفاق و باطن حقیقت بی‌ظاهر زندقه، ظاهر شریعت بی‌باطن نفس و باطن بی‌ظاهر هوس.

پس علم حقیقت را سه رکن است، یکی علم به ذات خداوند عَز

و جلَّ و وحدانیت وی و نفی تشبیه از ذات پاک وی جلَّ جلاله و دیگر علم به صفات وی و احکام آن. وسدیگر علم به افعال و حکمت وی و علم شریعت را سه رکن است: یکی کتاب و دیگر سنَّت و سیم اجماع امّت و دلیل بر علم به اثبات ذات و صفات پاک و افعال خدای تعالی، لقوله، تعالی: "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هو"[1] و نیز گفت: "فَاعْلَمُوا اَنَّ الله مَوْلَیکُمْ"[2] و نیز گفت: "اَلَمْ تَرَ إِلَي رَبِّكَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ"[3] و نیز گفت: "اَفَلَا یَنْظُرُونَ إِلَي الْإِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ"[4] و مانند این آیات بسیار است که جمله دلایل بر نظر کردن اندر افعال وی تعالی و تقّدس، تا بدان افعال فاعل را به صفات وی بشناسد و پیغمبر گفت، صلی الله علیه: "من علم ان الله تعالی ربه وانّی نبیه حرم الله تعالی لحمه و دمه علی النار"[5]. اما شرط علم به ذات خداوند تعالی آن است که عاقل و بالغ بداند که خداوند تعالی موجود است اندر قدم ذات خود و بی‌حد و بی‌حدود است و اندر مکان و جهت نیست و ذاتش موجب آفت نیست. از خلقش کسی مانند نیست. وی را زن و فرزند نیست. هرچه اندر وهم صورت گیرد و اندر خرد اندازه بندد وی جَّل

---

۱. سورۃ محمد: آیت ۱۹۔ ترجمہ: جان لے کہ بیشک وہی ایک معبود ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔
۲. سورۃ الانفال: آیت ۴۰۔ ترجمہ: جان لو کہ بیشک اللہ ہی تمہارا مالک ہے
۳. سورۃ فرقان: آیت ۴۵۔ ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے اپنے رب کو اس نے کس طرح سایہ پھیلایا۔
۴. سورۃ الغاشیۃ: آیت ۱۷۔ ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے اونٹ کی طرف کہ کس طرح بنایا گیا۔
۵. حدیث مبارکہ: جس نے دل سے جان لیا کہ بے شک اللہ اس کا رب ہے اور میں اس کا نبی ہوں، اس کے گوشت اور خون کو اللہ تعالی نے جہنم پر حرام فرمایا۔

جلاله آفریدگار آن است و دارنده و پروردگار آن. لقوله تعالی: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ"[۱].

و اما علم به صفات وی آنست که بدانی که صفات وی تعالی بدو موجود است که آن نه وی است و نه جز وی بدو قایم است و او به خود قایم و دایم؛ چون علم و قدرت و حیات و ارادت و سمع و بصر و کلام بقا. لقوله، تعالی: "إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ"[۲] و نیز گفت: "وَاللهُ عَلَي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"[۳] و نیز گفت: "هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ"[۴] و نیز گفت: "وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ"[۵]. ونیز گفت: "فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ"[۶] و نیز گفت: "قَوْلُهُ الْحَقُّ"[۷].

اما علم به اثبات افعال وی آن است که بدانی که وی تعالی و تقّدس آفریدگار خلقان است و خالق افعال ایشان است و عالم نابوده هست به فعل وی شده است. مقّدر خیر و شر است. خالق نفع وضّر است. لقوله، تعالی: "اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ"[۸].

---

۱. سورۃالشوری، آیت ۱۱۔ ترجمہ: اس کی مثل کوئی شے نہیں، وہ سننے دیکھنے والا ہے۔
۲. سورۃفاطر، آیت ۳۸۔ ترجمہ: بے شک وہ ذات پاک تمہارے دلوں کے خاطرات کی بھی عالم ہے۔
۳. سورۃآل عمران، آیت ۱۸۹۔ ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔
۴. سورۃغافر، آیت ۶۵۔ ترجمہ: وہ زندہ ہے (جسے موت نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
۵. سورۃالشوری، آیت ۱۱۔ ترجمہ: اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔
۶. سورۃالبروج، آیت ۱۱۔ ترجمہ: برازبردست اپنے ارادے کو پورا کرنے والا ہے۔
۷. سورۃالانعام، آیت ۷۳۔ ترجمہ: اس کا فرمان ہے۔
۸. سورۃالزمر، آیت ۶۲۔ ترجمہ: اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔

و دلیل بر اثبات احکام شریعت آن است که بدانی که از خداوند تعالی به ما رسولان آمدند با معجزه‌های ناقض عادت و رسول ما محمد مصطفی صلی الله علیه حق است و وی را معجزات بسیار است و آنچه مارا خبر دادست از غیب و عین جمله حق است. رکن اول از شریعت،کتاب است. لقوله تعالی: "مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ"[1] و دیگر سنَّت است. لقوله تعالی: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا"[2]. وسدیگر اجماع امّت است. لقوله علیه السلام: "لا یجتمعُ امَّتی عَلَی الضَّلالَةِ، علیکم بالسّوادِ الاعظم"[3] و در جمله احکام حقیقت بسیار است و اگر کسی خواهد تا جمله را جمع کند نتواند؛ از آن که لطایف خداوند تعالی را نهایت نیست.

فصل: بدان که گروهی اند از ملحده لعنهم الله که مر ایشان را سوفسطائیان خوانند و مذهب ایشان آن است که به هیچ چیز، علم درست نیاید و علم خود نیست. با ایشان گوئیم که این دانش که می‌دانید که به هیچ چیز علم درست نیاید درست هست یانی؟ اگر گویند هست علم اثبات کردند و اگر گویند نیست پس چیزی که درست نیاید آن را معارضه کردن محال باشد و با آن کس سخن گفتن از خرد نبود و گروهی از ملحده که تعلق بدین طریق دارند

---

۱ سورۃ آل عمران، آیت ۷۔ ترجمہ: اس کتاب مقدس میں بعض آیات محکم اور واضح ہیں۔

۲ سورۃ الحشر، آیت ۷۔ ترجمہ: جو حکم ہمارے حبیب تمہیں دیں، قبول کرو اور جس بات سے منع فرمائیں، باز رہو۔

۳ حدیث مبارکہ: میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی، تم بڑی جماعت کو لازم پکڑے رہو۔

همین، گویند که علم ما به هیچ چیز درست نیاید. پس ترک علم ما را تمام‌تر از اثبات آن باشد و این از حمق و ضلالت و جهالت ایشان بود که ترک علم از دو بیرون نباشد یا به علمی بود یا به جهلی. پس علم مر علم را نفی نکند و ضّد نیاید و به علم ترک علم محال باشد. ماند اینجا جهل و چون درست شد که نفی علم جهل باشد و ترک آن به جهل بود و جاهل مذموم باشد و جهل قرینهٔ کفر باطل باشد که حق را به جهل تعلق نبود و این خلاف جملهٔ مشایخ است و چون این قول را مردمان بشنیدند و بدین ارتکاب کردند و گفتند که مذهب جملهٔ اهل تصّوف این است و روششان چنین؛ تا اعتقاد ایشان مشّوش شد و از تمیز کردن حق از باطل باز ماندند و ما امور جمله به خداوند تعالی تسلیم کردیم تا دربار ضلالت خود همی‌باشند. اگر دین گریبانگیر ایشان گرددی تصّوف بهتر ازین کنندی و حکم رعایت را دست بندارندی و اندر دوستان خدای عّز و جّل بدین چشم ننگرندی و احتیاط روزگار خود نکوتر کنندی و اگر قومی از ملحده تعلق به احرار کردند تا به جمال ایشان خود را از آفتها رستگار کردند و اندر سایهٔ عزّ ایشان زندگانی کنند، چرا باید که همگنان را بر ایشان قیاس گیرند و اندر معاملت ایشان مکابرهٔ عیان بر دست گیرند و قدر ایشان اندرین در زیر پای آرند؟

و مرا با یکی از منتسبان علم که کلاه رعونت را عّز علم نام کرده است و متابعت هوی را سنَّت رسول علیه‌السلام و موافقت شیطان را سیرت ائمه، مناظرهٔ همی‌رفت، اندر آن میان گفت: ملحده دوازده

گروهند: یک گروه اندر میان متصوّفه اند. گفتم: اگر یک گروه در میان ایشان، یازده گروه اندر میان شمااند. ایشان خود را از یک گروه بهتر نگاه توانند داشت که شما از یازده گروه.

اما این جمله از نتیجهٔ فتور زمانه است و آفتهایی که پدیدار آمده است و خداوند تعالی پیوسته اولیای خود را اندر میان قومی مستور داشته است و آن قوم را از جهت ایشان اندر میان خلق مهجور داشته و نیکو گفته است آن پیر پیران و آفتاب مریدان علی بن بندار الصیرفی رحمة الله فسادالقلوب علی حسب فسادالزمان و اهله. اکنون من فصلی اندر اقاویل ایشان بیارم تا تنبیهی باشد مر آن را که از حق تعالی عنایتی اندر کار وی صادق است از منکران بدین طایفه و بالله التوفیق.

فصل

محمد بن الفضل البلخی گوید رحمة الله: العلوم ثلاثه: علم من الله و علم مع الله و علم بالله. علم بالله علم معرفت است که همه اولیاء او، او را بدو دانسته‌اند و تا تعریف و تعَّرف او نبود ایشان وی را ندانستند از آنچه همه اسباب اکتساب مطلق از حق تعالی منقطع است و علم بنده مر معرفت حق را علت نگردد که علت معرفت وی تعالی و تقّدس هم هدایت و اعلام وی بود و علم من الله علم شریعت بود که آن از وی به ما فرمان و تکلیف است و علم مع الله علم مقامات طریق حق و بیان درجات اولیا بود. پس معرفت بی‌پذیرفتِ شریعت درست نیاید و برزش شریعت بی‌اظهار مقامات

راست نیاید.

و ابو علی ثقفی رحمة الله گوید: العلم حیوة القلب من الجهل و نورالعین من الظلمة[۱]، علم زندگی دل است از مرگ جهل و نور چشم یقین است از ظلمت کفر.و هر که را علم معرفت نیست دلش به جهل مرده است و هر که را علم شریعت نیست دلش به نادانی بیمار است. پس دل کفَّار مرده باشد که به خداوند تعالی جاهل‌اند و دل اهل غفلت بیمار که به فرمان‌های وی جاهل‌اند.

ابو بکر وراق ترمذی گوید رحمة الله: من اکتفی بالکلام من العلم دون الزهد تزندق ومن اکتفی بالفقه دون الورع تفسَّق[۲]، هر که از علم توحید به عبارت بسنده کند و از اضداد آن روی نگرداند زندیق شود و هر که به علم شریعت و فقه بی‌ورع بسنده کند فاسق گردد و مراد اندر این آن است که بی‌معاملت و مجاهدت تجرید توحید جبر باشد،و موحد جبری قول و قدری فعل باشد تا روش وی اندر میان جبر و قدر درست آید و این حقیقت آن است که آن پیر گفت رحمة الله علیه، "التوحید دون الجبر و فوق القدر"[۳] پس هر که بی‌معاملت به عبارت آن بسنده کند زندیق شود.

و اما فقه را شرط احتیاط و تقوی باشد. هر که به رخص و

---

۱. علم حیوۃ قلب ہے جہالت کی موت سے اور چشم یقین کا نور ہے کفر کی ظلمت سے۔

۲. زہد و پارسائی کے بغیر جس نے کلامی مباحث پر اکتفا کر لیا تو وہ گمراہ ہو گیا اور جو تقوی و پرہیزگاری کے بغیر بس فقہ پر قانع ہو گیا وہ فاسق ہو گیا۔

۳. حقیقت توحید جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر ہے۔

تأویلات و تعلق شبهات مشغول گردد و بدون مذهب به گرد مجتهدان گردد مر آسانی را زود باشد که به فسق در افتد و این جمله از غفلت پدیدار آید و نیکو گفته است شیخ المشایخ یحیی بن معاذ الرازی رحمة الله اجتنب صحبة ثلثة اصناف من الناس: العلماء الغافلین والفقراء المداهنین والمتصوفة الجاهلین[1].

اما علماء غافل آنان باشند که دنیا را قبلهٔ دل خود گردانیده باشند و از شرع آسانی اختیار کرده و پرستش سلاطین بر دست گرفته و درگاه ایشان را طوافگاه خود گردانیده و جاه خلق را محراب خود کرده و به غرور زیرکی خود فریفته گشته و به رقت کلام خود مشغول دل شده و اندر ایمه و استادان زبان طعن بر گشاده و به قهر کردن بزرگان دین به سخنی که بروی زیادت آوردن بود مشغول گشته. آنگاه اگر کونین اندر پله ترازوی وی نهند پدیدار نیاید. آنگاه حقد و حسد را مذهب گردانیده. در جمله این همه علم نباشد و علم صفتی بود که انواع جهل از موصوف آن بدان منفی باشد.

اما فقراء مداهنین آنان باشند که چون فعل کسی بر موافقت هواء وی باشد اگرچه باطل بود، بر آن فعل وی را مدح گویند و چون بر مخالفت هواء ایشان کاری کنند اگرچه حق بود وی را بدان ذم کنند و از خلق به معاملت خود جاه بیوسند و بر باطل مر خلق را مداهنت کنند.

---

۱. اجتناب کر تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے غافل بے عمل علماء اور حق سے زبان بند کرنے والے فقیر اور بنے ہوئے جاہل صوفی سے۔

اما متصوّف جاهل آن بود که صحبت پیری نکرده باشد و از بزرگی ادب نیافته و گوشمال زمانه نچشیده و به نابینایی کبودی اندر پوشیده باشد و خود را درمیان ایشان انداخته و در بیحرمتی طریق انبساطی می‌سپرد اندر صحبت ایشان، و حمق وی وی را بر آن داشته که جمله را چون خود پندارد و آگاه طریق حق و باطل بر وی مشکل بود. پس این سه گروه را که آن موفق یاد کرد و مرید را از صحبت ایشان اعراض فرمود، مراد آن بود که ایشان اندر دعاوی خود کاذب بودند و اندر روش ناتمام. ابو یزید بسطامی رحمة الله گوید: علمت فی المجاهدة ثلثین سنة فما وجدت شیئاً اشد علی من العلم و متابعته[1]، گفت سی سال مجاهدت کردم، بر من هیچ چیز سخت‌تر از علم و متابعت آن نیامد و در جمله قدم بر آتش نهادن بر طبع، آسان‌تر از آن که بر موافقت علم رفتن و بر صراط هزار بار گذشتن، بر دلِ جاهل آسان‌تر از آن آید که یک مسئله از علم آموختن و اندر دوزخ خیمه زدن نزدیک فاسق دوست‌تر که یک مسئله از علم کار بستن. پس بر تو بادا علم آموختن و اندر آن کمان طلبیدن و کمال علم بنده جهل بود به علم خداوند عَزّ اسمئه، باید که چندان بدانی که بدانی که ندانی و این آن معنی بود که بنده جز علم بندگی نتواند دانست و بندگی حجاب آعظم است از خداوندی. یکی اندرین معنی گوید.

---

۱. میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس نہ ہوئی سوا علم اور اس کے اتباع کے۔

شعر:

العجز عن درک الادراک الادراک والوقف فی طرق‌الاخیار اشـراک[1]

آنکه نیاموزد و بر جهل مصر باشد مشرک بود و آن که بیاموزد و اندر کمال علم خود، وی را معنی ظاهر گردد و پندار علمش برخیزد و بداند که علم وی به جز عجز اندر علم عاقبت وی نیست که تسمیات را اندر حق معانی تأثیری نباشد عجز او از دریافت علم دریافت باشد. والله اعلم.

---

۱ یعنی درک ادراک ذات سے اظہارِ عجز کرنا ہی ادراک ذات ہے۔ اور محض روایات اخیار پڑھ کر ان کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے ان کے اقوال کی نقل کرتے پھرنا شرک اکبر ہے۔

فوائد الفواد

تألیف امیر حسن علاء سجزی

فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات ہیں جنہیں ان کے مرید امیر حسن علاء سجزی نے قلمبند کیا ہے۔ ہماری علمی، فرہنگی وراثت کا جو سرمایہ ہے ان میں خواجگان چشت کے ملفوظات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ملفوظات، صوفیاء کے ان ارشادات اور بیانات کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی ترغیب کی غرض سے شیخ اپنے مریدین اور عقید تمندوں کو مجالس میں بیان فرماتے ہیں۔ امیر حسن علاء سجزی نے تصوف میں اس نئ صنف کی بنیاد ڈالی جو تصوف کے نشر واشاعت میں بہت موثر ثابت ہوئی۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا اسم گرامی محمد اور لقب نظام الدین تھا۔ آپ کو عام طور پر سلطان المشائخ یا محبوب الٰہی کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ بخاری سید تھے اور آپ کا خاندان تاتاریوں کی یورش کے زمانے میں ہندوستان تشریف لایا۔ آپ کی ولادت با سعادت ۲۹ اکتوبر ۱۲۳۶ عیسوی میں دہلی کے نزدیک بدایوں میں ہوئی۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ سلطان المشائخ نے جب ابتدائی تعلیم مکمل کر لی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو دہلی لے آئیں۔ وسط ایشیاء میں تاتاریوں کی غارتگری کے باعث وہاں سے بڑی تعداد میں علماء، فضلاء ہجرت کرکے دہلی تشریف لے آئے تھے اور دہلی کو اس وقت بغداد، شیراز اور بخارا سے بھی بڑے علمی مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا۔ یہاں انہوں نے مولانا شمس الدین خوارزمی اور مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوئے

تلمذ تہہ کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے بیعت ہو گئے اور کئی بار اجودھن کا سفر کیا۔ اس کے بعد سلطان المشائخ نے دہلی کی ایک نواحی بستی غیاث پور میں سکونت فرمائی اور مسند ارشاد پر فائز ہوئے۔ سلطان المشائخ کے مبارک وجود، ان کے مبارک انفاس کی برکت اور مقبول دعاؤں کی وجہ سے اکثر لوگ عبادات، تصوف اور ترک و تجرید کی جانب مائل اور شیخ کے مرید ہونے کے خواہشمند ہو گئے تھے۔ آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام تھی اور آپ کے خلفاء اسلام کے پیغام کو لے کر تمام ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ سلطان المشائخ کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ہے ان سب ناموں کو جمع کرنا ایک کار دشوار ہے لیکن جو نام تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں اور ملفوظات میں محفوظ رہ گئے ہیں وہ بھی سو سے زیادہ ہیں جن میں خاص طور پر خواجہ ابوبکر مصلّی دار، خواجہ احمد بدایونی، امیر خسرو، امیر خورد کرمانی (مولف سیر الاولیا)، امیر حسن علاء سجزی (جامع فوائدالفواد)، ضیاالدین برنی (مولف تاریخ فیروز شاہی) شیخ نصیرالدین چراغ دہلی، شیخ فخرالدین زرادی، شیخ برہان الدین غریب لائق ذکر ہیں۔ ساٹھ برس تک مسندِ رشد و ہدایت پر تشریف فرما رہنے کے بعد ۳ اپریل ۱۳۳۵ء کو انتقال فرمایا۔ شاہ ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حالات اور ملفوظات پر مشتمل کئی کتابیں لکھیں گئیں ہیں جن میں سیر الاولیاء (مولف امیر خورد کرمانی)، دُرَرِ نظامی (مولف علی بن محمود جاندار)، قوام العقائد (مرتبہ جمال قوام) وغیرہ لیکن سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت فوائدالفواد کو حاصل ہے۔ جس کو امیر حسن علاء سجزی نے ترتیب دیا ہے۔

امیر حسن کا نام حسن اور لقب نجم الدین ہے مگر وہ امیر حسن علاء کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ ان کا اسم ثانی علاء ان کے پدر بزرگوار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جن کا لقب علاؤالدین تھا۔ امیر حسن ۶۵۲ ہجری مطابق ۱۲۵۴ میلادی بدایوں میں پیدا ہوئے۔

ابتدائے عمر میں ہی دہلی تشریف لے آئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ امیر حسن نے بڑا ہی حساس ذہن اور لطیف مزاج پایا تھا۔ فارسی و عربی پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی اور تیرہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت اختیار کی۔ امیر خسرو کے ساتھ وہ بھی سلطان بلبن کے لائق جانشین خان شہید کے متوسل رہے جو انہیں دوات دار بنا کر اپنے ساتھ ملتان لے گیا تھا اور اس کی مصاحبت میں پانچ سال تک رہے۔ شہزادہ محمد علم و ادب کا بڑا قدردان اور سرپرست تھا وہ منگولوں کے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے ۳۰ ذی الحجہ ۶۸۳ ہجری مطابق ۸ مارچ ۱۲۸۸ عیسوی کو شہید ہوا۔ شہزادہ محمد کی شہادت پر امیر خسرو نے نظم میں اور امیر حسن نے نثر میں مرثیہ لکھا۔ اس کی شہادت کے بعد امیر حسن بے روزگار ہوگئے۔ امیر حسن نے سلطان علاء الدین خلجی (ف: ۷۱۶ ھ) کی مدح میں قصائد بھی لکھے مگر سلطان کی خاص توجہ حاصل نہ ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے ان کی شناسائی ممکن ہے عہد بلبن میں ہی رہی ہوگی، کیونکہ امیر خسرو اور ضیاء الدین برنی ان کے دوست تھے۔ جب ان کے حال پر سلطان المشائخ کی توجہ ہوئی تو اس نے ان کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی اور ایک عام درباری ملازم کو خاصان حق کی بارگاہ تک پہنچا دیا۔ امیر حسن سجزی نہایت پسندیدہ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ انہیں اپنے ہم عصر فضلاء میں خاص مرتبہ اور عزت حاصل تھی اور مریدین میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے قرب اور مخصوص توجہ کی بنا پر ممتاز تھے۔ انہیں سلاطین اور امراء سے امیر خسرو کی مانند انعام و اکرام تو نہیں ملے، بلکہ زندگی کا بیشتر حصہ تنگ دستی میں گزرا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے وصال کے بعد انہیں محمد بن تغلق کے زمانے میں دولت آباد کوچ کرنا پڑا اور وہاں تقریباً دس سال رہے اور وہیں ۲۹ صفر ۷۳۷ ہجری مطابق ۲۶ ستمبر ۱۳۳۸ عیسوی کو اس دار فانی سے دار البقا کو کوچ کیا۔ ان کی تاریخ وفات «مخدوم اولیاء» سے برآمد ہوتی ہے۔ خلد آباد میں شیخ برہان الدین غریبؒ کی درگاہ کے نزدیک امیر حسن اور مولانا آزاد

بلگرامی (صاحب خزانۂ عامرہ، مآثرالکرام) ایک ہی احاطہ میں دفن ہیں۔

امیر حسن کئی تصانیف کے مالک ہیں لیکن فوائدالفواد کی وجہ سے جو شہرت حاصل ہوئی وہ رہتی دنیا تک شاداب رکھنے کے لئے کافی ہے۔ انہیں ایک شاعر کی حیثیت سے مستند شناخت بھی حاصل ہے اور وہ بھی اپنی دلفریب غزلیات کے لئے۔ سہل اسلوب میں دل پر اثر کرنے والی نظم ونثر لکھنا ان کا کمال تھا وہ اپنی شاعری میں «سعدی شیرازی» کی پیروی کرتے تھے اور اسی وجہ سے انہیں «سعدی ہند» کہا جاتا ہے۔ امیر حسن خود اپنی غزل نگاری کے بارے میں کہتے ہیں:

بر نظم حسن دیدم شهر شده دیوانه
زیرا که نمی‌یابند این طرز به دیوان‌ها

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

این طرز شیوهٔ حسن است ورنه پیش ازین
چندین شکر به عرصهٔ هندوستان نبود

غزل کے علاوہ امیر حسن سجزی نے نعت، مثنوی، قصیدہ غرض کہ شاعری کی ہر ہر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ایک مشہور نعت کے کچھ اشعار یہاں بطور مثال درج کئے جاتے ہیں:

باغ بهشت وصف جمال محمدست　　ختم رسل صفات محمدست
نون و القلم هدیهٔ از لوح خلق را　　طه اشارتی ز جمال محمدست

قصیدہ میں امیر حسن فارسی کے نامور قصیدہ نگار خاقانی کی پیروی کرتے ہیں اور خاقانی کی طرح اپنی تمام تر صلاحیت کو اپنے قصائید میں استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چونکہ خود لکھتے ہیں:

فـوج افـاضـل تاختـه اشعـار نـو پرداخته
بعضی مروف ساخته معضی مقضا داشته

قصائد میں ان کا کلام خدا کی تعریف میں، حضور پاک ﷺ کی شان میں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے اوصاف میں اور سلطان علاء الدین خلجی کی مدح میں ہیں۔ امیر حسن نے ایک قصیدہ خود کی تعریف میں بھی لکھا ہے جو صرف سات اشعار پر مشتمل ہے:

این نامه را بنام خدا باز مـی‌کـنم سرنامهٔ سخن ز سر آغاز می‌کـنم
از جنبش قلم که کلید معانی‌ست درهای ذکر رحمت حق باز می‌کنم

مثنویات: فارسی زبان کے عظیم شعراء کی مانند امیر حسن نے بھی مثنویاں لکھیں اور مثنوی نگاری میں ایرانی شعراء کی تقلید کی ہے۔ امیر حسن نے ایک مثنوی سلطان علاء الدین کی دیوگیر کی فتح سے دہلی واپسی کے موقع پر لکھی ہے:

بیـــا ای گهـــر جـــوئی غیـــب ز درها چه داری برون کن ز جیب

اس مثنوی میں کل ۶۳ اشعار ہیں جو کہ اس محاربہ کی جانکاری دیتے ہیں ایک دوسری مثنوی خضر خان کی مدح میں ہے، ان مثنویوں کے علاوہ اور بھی کئی مثنویاں جیسے «عشق نامہ»، «ستی نامہ» وغیرہ بھی کلیات میں شامل ہیں۔ اس مختصر تبصرہ کی بنیاد پر اس بات کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ امیر حسن سجزی اپنے زمانے کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ شاعری کے علاوہ نثر میں امیر حسن کی تین تالیفات ملتی ہیں۔ مرثیہ امیر حسن، مخ المعانی اور مشہور زمانہ فوائد الفواد۔

مرثیہ امیر حسن کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کے وہ خان شہید کی شہادت کا نثر میں مرثیہ ہے، جس کی بطور نمونہ چند سطریں یہاں درج کی ہیں:

"همبرین منوال به تجارب و چه به تسامع دیده و شنیده آمده است که هرکرا چون ماه برآمد می‌بیند می‌خواهد که روی

کمال او را به داغ نقصان سیاه کند و هرکرا چون ابر بر سر آمده می‌یابد در آن می‌کوشد که جوهر او را پاره پاره در اطراف آفاق پراکنده کند، درین باغ حیرت و بستان حسرت چنانکه هیچ گلی بی‌خار نرست و هیچ دلی از خار خار نرست. ای بسا سبزهٔ نورسته که از خزان آفت در مقام لطافت زرد روئی مانده و ای بسا نهال نو ساخته که از تند باد اجل در خاک زمین پهلو نهاده.

در باغ خزان بین که چه حد سرد کردی
بر سـرو جوان چه نا جوانمردی کردی"

مُخ المعانی: یہ تصوف پر فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں امیر حسن نے تصوف کے نکات بیان کئے ہیں۔ اس رسالہ کا موضوع عشق ہے اور حسن سجزی نے نہایت حسین انداز میں عشق حقیقی کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں۔

فوائد الفواد: امیر حسن علاء سجزی کی وہ نایاب تالیف ہے جس نے ان کے نام کو رہتی دنیا کے لئے زندہ و جاوید کر دیا۔ فوائد الفواد تصوف کی دنیا کی وہ کتاب ہے جس سے تمام اہل طریقت واقف ہیں اور تقریباً ۷ صدی بعد بھی اہل تصوف میں اتنی ہی ذوق و شوق کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ فوائد الفواد حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ نے مریدین اور عقید تمندان کو مجالس میں ارشاد فرمائے تھے، ان ملفوظات کو امیر حسن نے ۳ شعبان ۷۰۷ ہجری میں لکھنا شروع کیا اور ۹ شعبان ۷۲۲ ہجری تک کے ارشادات کو قلمبند کیا جس میں کل ۱۸۸ مجالس کو رقم کیا ہے۔ اس کتاب کو امیر حسن نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ امیر حسن نے خود لکھا ہے کہ جب انہوں نے ملفوظات کو جمع کرنا شروع کیا تو ایک دن انہوں نے وہ سب شیخ کو دکھایا تو شیخ نے ان کے اس کام کی ستائش

کی چونکہ خود لکھتے ہیں:

"چون مطالعه فرمود شرف استحسانی ارزان داشت و فرمود که نیکو نبشته و درویشانه نبشته و نام نیکو کرده".

فوائد الفواد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب سے ہمیں بہت سی نادر اطلاعات ملتی ہیں جو تاریخ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی۔ ان ملفوظات میں بعض ایسے اشخاص کا ذکر بھی ملتا ہے جو کسی دوسرے ذرایع سے نہیں ملتا۔ صحت زبان، روایات اور اسلوب کے اعتبار سے یہ کسی عارفانہ ملفوظات کا پہلا مجموعہ ہے جو تاریخ اور مجالس کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے مولفین نے اسے نمونہ بنایا۔ فوائد الفواد ہر دور میں بے حد مقبول رہی ہے اور اسے صرف چشتی سلسلہ کے بزرگان نے ہی نہیں بلکہ دوسرے سلاسل کے پیروان نے بھی اپنا راہنما تسلیم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل کتاب کے ہر زمانے میں قلمی نسخہ نقل کئے جاتے رہے اور بار بار شایع ہوتی رہی اور اس کے تراجم دنیا کی دوسری زبانوں میں ہوتے رہیں ہیں۔

فوائدالفؤاد[1]

یک شنبه سوم ماه مبارک شعبان عمّت میامنه سنه سبع و سبعمائة[2] بنده گناهگار امیدوار به رحمت پروردگار حسن علاء سنجری را که بانی این مبانی و جامعِ این معانی است دولت پای بوس آن شاه فلک جاه ملک دستگاه حاصل شد همان زمان به فرّ نظر لانظیر آن قطب آفتاب ضمیر منیر سر او ترکِ آلایش چهار طبع گرفت و سر او به کلاه چهار ترکی آن ناصیهٔ اصفیا زینت یافت «الحمدلله علی ذالک[3]».

آن روز بعد از آنکه بر صلوة مکتوبات صلوة چاشت و شش رکعت بعد صلوةالمغرب و صوم ایام بیض[4] ملازمت فرمود بر لفظ مبارک راند که تایب با متقی برابر است زیرا که متقی آن است که مثلاً در همه عمر خویش شرب نکرده باشد یا معصیتی به وجود نیاورده و تایب آ ن است که گناه کرده باشد و انابت آورده، بعد از آن فرمود که هر دو برابر باشند

---

۱. فوائد الفؤاد تالیف امیر حسن علا سنجری معروف بہ حسن دہلوی، لاہور ۱۹۶۶، ج ۱، مجلس ۱، ۳، ۷؛ ج ۲، مجلس ۲، ۸، ۹؛ ج ۳، مجلس ۱، ۳، ۸؛ ج ۷، مجلس ۱۰، ۱۱۔

۲. سال ۷۰۷ ہجری۔

۳. اس طرح کی نعمتوں پر خدا کا شکر۔

۴. جب چاند کامل ہو، یعنی قمری مہینوں کی ۱۴، ۱۳، اور ۱۵ تاریخ۔

به حکم این حدیث که "التَّائِبُ مِنْ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ"[1] و این معنی هم در این محل فرمودند که آن که معصیت کرده باشد و از معصیت ذوق‌ها گرفته چون تایب شود و طاعت کند هر آیینه از طاعت نیز ذوق‌ها گیرد و ممکن است که یک ذره از آن راحت که در طاعت یابد آن ذره خرمن‌های معاصی را بسوزد.

لختی سخن در آن افتاد که مردانِ خدا خود را پوشیده داشته‌اند و حق تعالی ایشان را ظاهر گردانیده است. بر لفظ مبارک راند که خواجه ابوالحسن نوری نورالله مضجعه در مناجات می‌گفت: الهی استرنی فی بلادک بین عبادک[2]، از هاتفی آواز شنید که یا ابا الحسن الحق لایستره شئ یعنی حق را چیزی نمی‌پوشد و حق هرگز پوشیده نماند.

این حکایت هم در آن محل فرمود که در خطهٔ ناگور بزرگی بود او را حمیدالدین سوالی گفتندی علیه الرحمة والغفران، از او سؤال کردند که بعضی از مشایخ نقل می‌کنند و بعد از نقل ایشان هیچ کس نام ایشان نمی‌گیرد و بعضی چون نقل می‌کنند نام و صیت ایشان به اقصای عالم می‌رسد این تفاوتِ احوال از کجا است؟ جواب داد که آن که درحالتِ حیات در اشتباه خود کوشیده است بعد از وفاتِ او نام و صیتِ او مندرس می‌شود و آنکه در حالت حیات خود را پوشیده داشته است بعد از وفات نام و صیت او به همه جهان می‌رسد.

---

۱. حدیث مبارکہ: گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (ابن ماجہ)
۲. مجھے اپنے شہروں میں اپنے بندوں کے درمیان چھپالے۔

لختی سخن در مشایخ کبار افتاد و ترقی درجات ایشان بر ابدال بر فلظ مبارک راند که مردی در خانقاهِ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس الله سره العزیز درآمد یکی را دید بر درِ خانقاه افتاده و دست و پای او شکسته و خراب شده. آن مرد پیش شیخ رفت و حکایت آن افتاده بازگفت و دعا درخواست. شیخ فرمود خاموش باش که او بی‌ادبی کرده است! آن آینده پرسید که او چه بی‌ادبی کرده است؛ شیخ فرمود که او یکی از ابدالان است، دوش او با دو یارِ دیگر به حکم طیرانی که ایشان راست در هوا می‌پریدند، چون بر سر این خانقاه رسیدند یکی یار او از خانقاه منحرف شد و به طریق ادب جانب راست شده گذشت، یار دیگر او نیز از خانقاه جانبِ چپ شده گذشت این خواست که بی‌ادب بر بالای خانقاه بگذرد بیفتاد.

این معنی نیز هم در این محل فرمودند در نگاهداشتِ ادب پیر و حسنِ جواب در نظر پیر بر لفظ مبارک راند که خواجه جنید بغدادی قدس الله سره العزیز وقتی در شبِ عیدی در خانقاه خود نشسته بود و چهار تن از مردانِ غیب به خدمت او حاضر بودند، روی به سوی یکی از ایشان کرد و گفت: که تو بامداد نمازِ عید کجا خواهی گزارد؟ آن مرد گفت: در مکه مبارک، بعد از آن دوم را پرسید که تو کجا خواهی گزارد؟ آن مرد گفت: در مدینهٔ معظم، بعد از آن سوم را پرسید که توکجا خواهی گزارد؟ او گفت: دربیت‌المقدس، بعد از آن چهارم را پرسید که تو کجا خواهی گزارد؟ او خدمت کرد و گفت: هم در بغداد در خدمتِ خواجه. خواجه در بابِ او چنین فرمود که

"انت ازهدهم واعلمهم و افضلهم"[1].

لختی سخن در تزکیه افتاد، بر لفظ مبارک راند که کمالِ مرد در چهار چیز پیدا می‌شود "قِلة الطعام و قِلَّة الکلام و قِلَّة الصحبة مع الانام"[2].

لختی سخن در جدّ و اجتهاد افتاد. بنده را در این معنی این دو بیت از لفظ دربار ایشان استماع افتاد، ابیات:

گرچه ایزد دهد هدایتِ دین
بنده را اجتهاد باید کرد
نامه‌ای کان به حشر خواهی خواند
هم از این جا سواد باید کرد

آدینه پانزدهم ماه مبارک شعبان سنة المذکور بعد از نماز دولت پای‌بوس حاصل شد، جوالقی درآمده ساعتی بنشست و برخاست و برفت. خواجه ذکره الله بالخیر فرمود که از این بابت مردم به خدمت شیخ بهاءالدین زکریا رحمة الله علیه کم راه یافتندی اما به خدمت شیخ‌الاسلام فریدالدین رحمة الله علیه رحمة واسعة از هر جنس درویش وغیر آن برسیدی.

بعد از آن فرمود که درمیان هر عامی خاصی هست، هم در این باب حکایت فرمود که شیخ بهاءالدین زکریا کثیرالسیاحت بود، وقتی برسر جمعی از جوالقیان برسید درمیان ایشان بنشست. نوری در آن

---

۱. تو ان سب سے زیادہ زاہد ہے عالم ہے اور افضل ہے۔
۲. کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم ملنا جلنا۔

جمع پیدا شد، چون نیکو نگاه کرد یکی را از آن جمله دی‌د که نوری از او ساطع می‌شد، آهسته نزدیک او برفت و با او گفت که تو درمیان این قوم چه کنی؟ او جواب داد: یا زکریا؟ تا بدانی که درمیان هر عامی خاصی هست!

هم در این باب حکایت فرمود که وقتی بزرگی درمیان جمعی هم از این بابت برسید. یکی را دید که دو رکعت نماز قرآن تمام کرد. آن بزرگ حیران شده با خود گفت که در این سلکی که این مرد است این نوع طاعت از او غریب باشد نه همانا که در این کار مستقیم تواند بود! الغرض چون از ایشان بگذشت بعد از ده سال باز بر سر آن جمعی رسید. آن درویش را هم بر آن قرار دید. آنگاه گفت: حقیقت معلوم کردم که درمیان هر عامی خاصی هست.

آدینه نوزدهم ماه شوال سنة المذکور بعد از نماز سعادت پای‌بوس حاصل شد. سخن در آداب تصوف و اشارات مشایخ و اصطلاحات ایشان افتاد. بر لفظ مبارک راند که شیخ جمال‌الدین بسطامی شیخ‌الاسلام حضرتِ دهلی رحمة الله علیه مراسم اهل صفَّه و آداب ایشان نیکو دانستی تا وقتی کوزه‌ای آب در نظر ایشان آوردند که آن کوزه چهار گوشه داشت یعنی چهار جای گرفتن داشت. بزرگی حاضر بود او گفت: این را کوزهٔ لقمانی گویند. شیخ جمال‌الدین بسطامی گفت که چرا کوزهٔ لقمانی گویند؟ آن بزرگ ساکت شد. بعد از آن شیخ جمال‌الدین حکایت کرد که بزرگی بود او را شیخ لقمان سرخسی گفتندی رحمة الله

علیه، مناقب او بسیار است تا از او می‌آرند که مگر جمعه‌ای از او فوت شد یا شعاری از ظواهر شرع والله اعلم. ایمهٔ آن شهر به احتساب او بیرون آمدند. با او گفتند که ایمهٔ شهر می‌آیند تا با تو بحث کنند. شیخ لقمان پرسید که سوار می‌آیند یا پیاده؟ گفتند که سوار می‌آیند. آن زمان شیخ بر دیواری نشسته بود، دیوار را گفت که به فرمان خدای عز و جل روان شو! دیوار در حال روان شد، مقصود آنکه این شیخ لقمان وقتی از مریدی کوزهٔ آب طلبید، مرید کوزه‌ای پیش آورد هیچ گوشه و جای گرفتن نداشت. شیخ فرمود که کوزه بباید آورد که او را گوشه‌ای باشد و بتوان گرفت. مرید رفت و کوزه‌ای بایک گوشه بساخت و پیش شیخ آورد همان گوشه به دست گرفته، شیخ تبسم کرد و گفت: این گوشه تو گرفته‌ای من کدام جای بگیرم؟ برو کوزه‌ای دو گوشه بساز و بیار، باز مرید رفت کوزه‌ای با دو گوشه بساخت و پیش آورد یک گوشه به یک دست گرفت و گوشهٔ دیگر به دست دیگر. باز شیخ فرمود که هر دو طرف تو گرفتی من از کدام جا بگیرم برو کوزه‌ای سه گوشه بساز! مرید رفت کوزه‌ای سه گوشه بساخت. دو گوشه به هر دو دست گرفت، گوشه سوم جانب سینهٔ خود کرد. شیخ تبسم فرمود و گفت: برو کوزه‌ای چهار گوشه بساز؛ بعد از آن مرید این چنین کوزهٔ چهار گوشه بساخت و بیاورد، غرض آنکه کوزه را کوزهٔ لقمانی به سبب این معنی گویند.

چهار شنبه بیست و هفتم ماه ذی‌القعده سنه مذکور[۱] سعادت پای‌بوس میسر شد. سخن در آن افتاد که مریدان به زیارت پیر خود روند و هر یکی بعد از چندگاه رود. بر لفظ مبارک راند که من سه کَّرت به خدمت شیخ‌الاسلام فریدالحق والدین قدس الله سره العزیز رفته‌ام. هر سال یک بار، بعد از آن که نقل فرمود: هفت بار دیگر رفته شده است یا شش بار نیکو یاد نمانده اما اغلب گمان است که هفت بار رفته شده است چنانکه در خاطر همچنان مقرر است که در حیات و ممات ده بار رفته شده است. بعد از آن فرمود که شیخ جمال‌الدین هفت بار رفته بود از هانسی، بعد از آن فرمود که شیخ نجیب‌الدین متوکل رحمة الله علیه اول بار که برفت وقت وداع از خدمت شیخ فاتحه درخواست کرد که همچنین که این بار آمده‌ام بار دیگر هم بیایم و سعادت دست بوس دریابم. شیخ فرمود که فاتحه خواندن حاجت نیست بارها خواهی آمد! بعد از آن هژده بار دیگر بیامد. هژدهم بارکه باز گشت فاتحه التماس نمود بر این نیت که اول بار که آمده بودم بر لفظ مبارک رفت که بارها خواهی آمد از آنگاه تا امروز نوزده بار شد فاتحه التماس می‌کنم بر نیت آنکه یک بار دیگر هم بیایم تا راست بست بار باشد. شیخ ساکت شد. شیخ نجیب‌الدین همچنین گمان برد که مگر نشنیده‌اند، این سخن را عادت کرد شیخ هم هیچ جواب

---

۱. سنہ مذکور سے مراد یہاں سال ۷۰۹ ہجری ہے، (جلد دوم مجلس دوم)

نفرمود او باز گشت. بعد درمیان ایشان ملاقات نشد!

لختی حکایت شیخ بهاءالدین زکریا افتاد رحمة الله که او به خدمت شیخ‌الشیوخ شهاب‌الدین سهروردی پیوست قدس الله سره العزیز، در خدمت او هفده روز بیش نبود، در این هفده روز شیخ شهاب‌الدین نعمت‌ها بر او ایثار کرد. چون شیخ بهاءالدین به هندوستان آمد باز عزیمت کرد که به خدمت شیخ رود. چون روان شد شیخ جلال‌الدین تبریزی رحمة الله علیه از پیش بیامد شیخ بهاءالدین را باز گردانید گفت که فرمان شیخ‌الشیوخ همچنین است که بازگردی!

بعد از آن در بزرگی شیخ بهاءالدین سخن در پیوست، فرمود که هفده روز آن نعمتها یافت که یاران دیگر به سال‌ها نیافته بودند تا چنانکه بعضی یاران قدیم مزاج متغیر کردند که ما چندین سال خدمت کردیم ما را چندان نعمت نرسید و هندوستانی بیامد و در مدت اندک شیخی یافت و نعمت فراوان! این خبر به سمع شیخ رسید ایشان را جواب فرمود که شما هیزم‌های‌تر آورده بودید. در هیزم‌تر کی باید که آتش در گیرد اما زکریا هیزم خشک آورده بود به یک نفخ در گرفت!

دوشنبه بیست و هفتم ماه ربیع‌الاول سنه مذکور[1] سعادت پای‌بوس میسر شد. سخن در احوال شیخ‌الاسلام فریدالدین افتاده بود

---

۱. سنہ مذکور سے یہاں مراد سال ۷۱۰ ہجری ہے۔ (جلد دوم، آٹھویں مجلس)

قدس الله سره العزیز فرمود که افطار ایشان بیشتر به شربت بودی. یک قدح بود که در آن شربت بیاوردندی قدری مویز کردندی در آن، از آن قدح مقدار نصفی یا ثلثی بر جمله حاضران قسمت کردی. قدری از آن شربت در آوندی می‌انداختی و دیگر آب به حاضران مجلس دادندی، باقی ثلثی که ماندی خود به کار بردی و از آن بقیه هم کسانی را که خواستی نصیب کردی تاکرا آن دولت بودی! بعد از آن پیش از نماز دو نان چرب کرده بیاوردندی. آن دو نان کم از یک سیر بودی، از آن دو نان یک نان پاره پاره کردی به همه حاضران برسانیدندی و آن یک نان دیگر خود خوردی و از آن نان خاص هم کسی را که خواستی نصیب کردی. بعد از ادای نماز شام مشغول به حق بودی مشغول بودنی تمام! بعد از آن مایده پیش می‌آوردند طعام از هر گونه، چون آن طعام خرج شدی پیش طعام دیگر نخوردی مگر باز به وقت افطار روز دیگر.

بعد از آن فرمود که ایشان را زحمت خله[1] شد هم بدان زحمت نقل فرمودند. خواجه ذکره‌الله بالخیر می‌فرمود که یک شب وقت استراحت من به خدمت حاضر شدم، دیدم که کهتی راست کردند. گلیمی که بر آن در روز بنشستی همان بالای کهت انداختند چنانکه آن گلیم که تا پایان نمی‌رسید آنجا که موضع پای مبارک او بود شقهٔ آورده نهادند که اگر آن شقه شب بالا کشیدی آن موضع از بستر

---

۱. خلہ کی بیماری میں بدن کے جوڑوں میں بہت تیز درد ہوتا ہے۔

خالی ماندی، یک عصای بود که از شیخ قطب‌الدین یافته بودی قدس الله سره العزیز آن را می‌آوردند و جانب سر آن کهت می‌داشتند شیخ بر آن عصا متکا کردی و استراحت فرمودی و آن عصا را هر بار دست فرود می‌آوردی و تقبیل می‌کردی!

بعد از آن فرمود که یک روز هم در آن زحمت مرا و چند یاران را گفت که بروید در فلان خطیره شب بیدار باشید و برای صحت من دعا کنید، همچنان کردیم من و چند یار دیگر در آن خطیره رفتیم، آن خطیره بامی داشت بر آن بام رفتیم و طعام برابر خود بردیم، شب همانجا بودیم و دعا کردیم، چون روز شد به خدمت شیخ آمدیم و بایستادیم و عرضداشت کردیم که شب را به حکم فرمان بیدار بودیم و دعا کردیم. شیخ ساعتی تأمل فرمود بعد از آن گفت که از این دعای شما هیچ اثر صحت پیدا نشد. خواجه ذکره الله بالخیر فرمود که من در جواب متأمَّل شدم، یاری بود که او را علی بهاری گفتندی، او از من پستر ایستاده بود، او از آنجا گفت که ما ناقصانیم و ذات مبارک شیخ کامل، دعای ناقصان در حق کاملان کی مستجاب شود؟ همانا که این سخن به سمع شیخ نرسیده من عین این سخن به سمع شیخ رسانیدم. بعد از آن روی سوی من کرد و گفت که من از خدای خواستم که هرچه تو از خدای بخواهی بیابی، بعد از آن عصای خود به من داد، در این میان بنده عرضداشت کرد که شما وقت نقل شیخ حاضر بوده‌اید چشم پر آب کرد و فرمود که خیر مرا در ماه شوال به دهلی فرستاده بود نقل

ایشان در شب پنجم ماه محرم بوده است، وقت رحلت از من یاد کرد و فرمود که فلان در دهلی است و این سخن هم بگفت که وقت رحلت شیخ قطب‌الدین قدس الله سره العزیز من نیز حاضر نبودم در هانسی بودم. خواجه ذکر الله بالخیر این حکایت می‌فرمود و گریه می‌کرد چنانکه در همه حاضران اثر می‌کرد، بعد از آن این حیکایت فرمود که چون زحمت شیخ غالب شد و ماه رمضان درآمد افطار می‌کرد تا روزی خربزه آورده بودند و پاره می‌کردند و پیش شیخ می‌نهادند. شیخ تناول فرمود، در اثنای آن. یک شاخ خربزه به من داد، من خواستم که بخورم در دل کردم که دو ماه متصل کفَّارتِ این روزه دارم این دولت که به دست خود چیزی به من می‌دهد کجا یابم! نزدیک بود که بخورم، فرمود که نی مکن! مرا رخصت شریعت است ترا نباید که بخوری. مدت عمر شیخ پرسیدند، فرمود که نود و سه سال بود. در روز مذکور این معانی تقریر فرمودند و در سماع این چندان ذوق حاصل شد که در بیان نگنجد! چون شب درآمد بعد ادای نمازِ خفتن مصلای خاص بنده را بخشید و الحمدلله رب العلمین.

شنبه دهم ماه ربیع‌الاخر سنة المذکور[1] دولت پای‌بوس حاصل شد. سخن در دعا افتاد، فرمود که دعا قبل از نزول بلا می‌باید کرد. لفظی به عربی ادا فرمود که بلا چون نازل می‌شود دعا از فرود بالا

---

۱. سال ۷۱۰ هجری۔

می‌رود و هر دو در هوا یکجا متعارض می‌شوند اگر دعا را قوتی باشد بلا را باز گرداند و اگر نه بلا فرود آید.

ملایم این سخن حکایت فرمود که در آنچه خروج کفار تتار شد چون بلای مغل به نیشابور رسید پادشاهی که آنجا بود کس بر شیخ فریدالدین عطار فرستاد قدس الله سره العزیز که دعایی بکن او جواب گفت که وقت دعا گذشت وقت رضا است یعنی بلای خدا نازل شد تن به رضا باید داد! بعد از آن فرمود که بعد از نزول بلا هم دعا باید کرد اگرچه بلا دفع نشود اما صعوبت بلا کم شود.

از اینجا سخن در صبر و رضا افتاد. فرمود که صبر آن است که چون مکروهی به بنده رسد در آن صبر کند و شکایتی نکند، اما رضا آن است که چون مکروهی به بنده رسد در آن کراهتی بدو نرسد گویی که آن بلا بدو نرسیده است. بعد از آن فرمود که متکلمان این معنی را منکرند. ایشان می‌گویند که هرگز تصور ندارد که کسی را مکروهی برسد و او را از آن کراهتی نباشد، فرمود که این را جواب‌ها است یکی آن که بسیار باشد که مردی در راهی می‌رود خاری در پای او می‌خلد و خون می‌رود و او چنان به تعجیل میرود و دل او مشغول به چیزی است که او را از آن خبر نمی‌باشد بعد از ساعتی او را معلوم می‌شود و بسیار باشد که یکی در محاربه مشغول است او را زخمی می‌رسد او چنان مستغرق حرب است که او را اصلاً از آن آگاهی نیست بعد از آن که به مقام خود باز می‌آید معلوم می‌شود، اکنون چون استغراق این

معنی که گفته آمد از آن دردها بی‌خبر می‌دارد آن که مشغول حق باشد طریق اولی!

بعد از آن فرمود که قاضی حمیدالدین ناگوری رحمة الله علیه جایی نوشته است که مردی را به اتهامی گرفتند، او را هزار چوب بزدند، هیچ جزع و فزع نکرد و اثر المی در او ندیدند. بعد از آن اقامت سیاست از او پُرسیدند که چگونه بود ترا از این ضرب هیچ المی نرسید؟ گفت: در آن حال مرا می‌زدند معشوق من در من نظر می‌کرد در نظر او هیچ دردی مرا نرسید! بعد از آن خواجه ذکره الله بالخیر برلفظ مبارک راند که آن را که در نظر معشوق مجازی می‌باشد او را از درد خبر نمی‌باشد این معنی در حقیقت لایق‌تر!

لختی سخن در توکل افتاد. فرمود که توکل سه مرتبه دارد: مرتبهٔ اولی آن است که مردی یکی را به جهت دعوی خود وکیل گیرد و آن وکیل هم عالم باشد و هم دوست این مؤکِّل، پس این موکَّل ایمن باشد که وکیلی دارم که هم در کار دعوی دانا است و هم دوست من است، در این صورت هم توکل باشد و هم سؤال چنانکه گاه گاه آن وکیل را می‌گوید که این دعوی را چنان جواب گوی و آن کار همچنان آخر رسان، مرتبهٔ اولی توکل این است که هم توکل باشد و هم سوال و مرتبهٔ ثانیهٔ توکل آن است که طفلی باشد شیر خواره که مادر او را شیر می‌دهد او را همین توکل باشد، سوال نباشد، این طفل نگوید که مرا در فلان وقت شیر بده همین گریه کند اما او را تقاضا نکند و نگوید که مرا شیر بده، او

را ثقه در دل باشد بر شفقت مادر، اما مرتبهٔ ثالثهٔ توکل آن است که مرده باشد پیش غسال، این مرده را هیچ تصرفی و حرکتی و سکنتی و سوالی نباشد و هر چگونه که غسال را می‌باید او را می‌گرداند و می‌شوید. مرتبهٔ سوم توکل این است و این مرتبه اعلی است و مقام بلند!

در مجلس مذکور طعامی آوردند. یکی از حاضران مطایبه کرد که در فلان جای حاضر بودم، اگرچه سیر بودم اما تتماج پیش آوردند نتونستم که بگذارم، این و مانند این کلمات طیبت‌آمیز می‌گفت، خواجه ذکره الله بالخیر تبسم می‌کرد و ملایم آن وقت حکاتی فرمود که من وقتی بر شیخ جمال‌الدین خطیب هانسوی رفتم رحمة الله علیه وقتِ اشراق بود و فصل زمستان شیخ جمال‌الدین روی سوی من کرد و این دو مصراع بگفت:

با روغن گاو اندر این روز خنک نیکو باشد هریسه[1] و نان تنک

من گفتم که "ذکرالغائب غیبة"[2]. شیخ جمال‌الدین گفت: آن را احضار کردم آنگاه می‌گویم. پس همان زمان آنچه گفته بود در میان آورد! از نسبت طعامی که موجود بود و کندوری که کشیده بودند حکایت فرمود که وقتی مردی بود که او را محمد گفتندی، به خدمت شیخ‌الاسلام فریدالدین قدس الله سره العزیز نشسته بود، طعامی پیش

---

[1] طعامی از گوشت و گندم و حبوب (حلیم)

۲. غائب کا ذکر کرنا غیبت ہے۔

آوردند همانا کندوری و سفه موجود نبود. شیخ فرمود که نان بر زمین بکشید، آن که حاضر شده بود او را در خاطر گذشت که اگر سفره بودی نیکو بودی. شیخ به دو انگشت مسبّحه خطی مدوّر بر زمین بکشید و بدان مرد گفت که محمد همین دان که این سفره است! بعد از آن فرمود که این درمبداء حال بود.

دوشنبه بیست و هفتم ماهِ ذی‌القعده سنه اثنی عشر و سبعمائة (۷۱۲) سعادت پای‌بوس حاصل شد. ذکر طبقات افتاد، فرمود که پیغمبر علیه السّلام فرموده است که بعد از من امّتِ من بر پنج طبقه باشد، مدت هر طبقه چهل سال است: الطبقةالاولی، «طبقةالعلم و المشاهدة[۱]»، الطبقةالثانیة، «طبقةالبّر والتقوی[۲]»، الطبقةالثالثه، «طبقةالواصل والتراحم[۳]»، الطبقةالرابعة، «طبقةالتقاطع و التدابر[۴]»، الطبقةالخامسة، «طبقةالهرج والمرج[۵]». فرمود که طبقهٔ اوّل طبقهٔ علم و مشاهده باشد و آن صحابه کرام بودند، بعد از آن طبقهٔ دوم طبقهٔ برّ و تقوی باشد و آن تابعین بودند، بعد از آن طبقهٔ سوم طبقهٔ تواصل و تراحم باشد. تواصل آن باشد که چون دنیا ایشان را اقدام نماید اگر آن دنیا با ایشان و با دیگران مشترک باشد طرف دیگران سهل

---

۱. پہلا طبقہ، علم اور مشاہدہ کا طبقہ۔
۲. دوسرا طبقہ، نیکی اور تقوے کا طبقہ۔
۳. تیسرا طبقہ تواصل اور تراحم کا طبقہ۔
۴. چوتھا طبقہ تقاطع اور تدابر کا طبقہ۔
۵. پانچواں طبقہ ہرج اور مرج کا طبقہ۔

و سست گزارند که اگر یکی طرف خود بکشد دوم از جانب خود سست گذارند و این را تواصل گویند، اما تراحم آن باشد که اگر تمام دنیا روی بدیشان آرد بی‌مشارکت ایشان آن را نفقه کنند و در راه حق به مصرف رسانند، بعد از آن طبقهٔ چهارم طبقهٔ تقاطع و تدابیر باشد، تقاطع آن باشد که اگر دنیا روی بدیشان آرد بر سبیل مشارکت به قطع و خصومت بر آیند و تدابیر آن باشد که اگر دنیا خاص بدیشان پیوندد ایشان آن را تمام بگیرند و پشت به خلق دهند و هیچ کس را نصیب نکنند، بعد از آن طبقهٔ پنجم طبقهٔ هرج و مرج باشد، هرج و مرج آن باشد که در گوشت و پوست یکدیگر افتند و در کشتن یکدیگر شوند و مدت این پنج طبقه دویست سال باشد. آنگاه فرمود که بعد از این دویست سال اگر کسی سگ بچه بزاید به نه فرزند آدم؟ خواجه ذکره الله بالخیر چون بر این حرف رسید چشم پر آب کرد و فرمود که این حکم بعد از نقل رسول علیه السّلام به دویست سال تمام شده است، این ساعت خود مردم چه گوید!

لختی سخن در مشغولی حق افتاد که کار آن دارد و دیگر هرچه جز آن است مانع آن دولت است. می‌فرمود که اگر وقتی از آن کتب که خوانده‌ام مطالعه کنم وحشتی در من ظاهر شود با خود گویم کجا افتاده‌ام؟ در این میان حکایت فرمود که شیخ ابو سعید ابوالخیر رحمة الله علیه چون به کمال حال رسید کتبی که خوانده بود در گوشه‌ای نهاد. بعضی گویند بشُست، بعد از آن فرمود که شُستن

نیامده است الا آنکه جایی نگاهداشته باشد تا روزی چیزی از آن کتب پیش نهاده و مطالعه کردن گرفت، هاتفی آواز داد و گفت: ای ابو سعید عهدنامهٔ ما بازده که به چیزی دیگر مشغول شدی! خواجه ذکره الله بالخیر چون بر این حرف رسد بگریست و این دو مصرع بر زبان مبارک راند:

تو سایهٔ دشمنی کجـا در گُنجـی جایی که خیال دوست زحمت باشد

یعنی جایی که کتب مشایخ و فقه و احکام شریعت حجاب شود چیزهای دیگر خود چه باشد.

آدینه بیست و دوم ماه ذی‌الحجه سنة المذکور[1] به سعادت پای‌بوس رسیده شد. آینده‌ای بیامد و فاتحه درخواست کرد بر نیت آنکه قرآن یاد ماند. خواجه ذکره الله بالخیر فرمود که چه قدر یاد گرفته‌ای؟ گفت ثلثی یاد گرفته‌ام. فرمود که دیگر اندک اندک یاد گیر و یاد گرفتهٔ پیشینه را مکرر می‌کن!

بعد از آن حکایت فرمود که من شبی شیخ بدرالدین غزنوی را رحمة الله علیه در خواب دیدم از او هم در خواب فاتحه درخواست کردم بر نیت یاد ماندن قرآن، او هم در خواب بخواند. چون روز شد به دیدن عزیزی رفتم و این خواب با او گفتم و از او هم فاتحه درخواست کردم و گفتم چنانکه او در خواب بخواند شما در بیداری بخوانید تا به برکت فاتحه خواندن شما مرا قرآن یاد ماند. آن بزرگ

---

۱. سنہ مذکور سے مراد یہاں سال ۷۱۲ ہے۔

فاتحه خواند و این فایده بگفت که هر که هر شب وقت خفتن این دو آیت بخواند البته قرآن یاد ماند و به حفظ او شود، آیت‌ها این است:

وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ[1].

لختی سخن در قدرت باری عزّ اسمه افتاد. در این معنی حکایت فرمود که وقتی رسول علیه السّلام آرزوی اصحاب کهف کرد خواست که ایشان را ببیند. فرمان آمد که ما حکم کرده‌ایم که تو ایشان را در دنیا نبینی، ملاقات شما در قیامت باشد اما اگر خواهی ایشان را در دین تو در آریم!

بعد از آن رسول علیه السّلام گلیمی بیاورد و چهار کس را گفت

---

۱. سورہ بقرہ، آیت: ۱۶۲، ۱۶۳ اور ایسا معبود جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی رحمٰن ہے اور رحیم ہے (۱۶۳) بلا شبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالی نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر وتازہ کیا اور اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں (۱۶۴)۔ (بیان القران)

که هر یکی یک گوشهٔ این گلیم بگیرند. از آن چهار یکی ابوبکر صدیق بود دوم عمر خطّاب سوم علی بن ابی طالب چهارم ابوذر غفاری رضی الله عنهم اجمعین بعد از آن رسول علیه السّلام بادی را که مهتر سلیمان علیه السّلام او را به همکارهای بزرگ فرمان دادی دعا کرد تا حاضر شود، آن باد حاضر شد. بعد از آن باد را فرمود که این گلیمی را با آن چهار یار ببر و بر درِ آن غار فرود آر! باد آن گلیم را با آن چهار یار ببرد و بر در آن غار فرود آورد. یاران از بیرون بر اصحاب کهف سلام گفتند. حق تعالی ایشان را زنده گردانید جواب سلام باز دادند. بعد از آن یاران دین رسول علیه اسّلام را بر ایشان عرضه کردند و ای‌شان قبول کردند «اَلْحَمْدُ لله رَبِّ الْعَالَمِینَ[1]». خواجه ذکره الله بالخیر بعد از تقریر این حکایت بر لفظ مبارک راند که چیست که مقدور خدای تعالی نیست.

۱ سورہ الفاتحہ، آیت: ۲۔ ترجمہ: سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔

گلستانِ سعدی

تألیف شیخ سعدیؒ

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کا نامِ نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ فارسی ادب کے وہ درخشاں ستارے ہیں جن کی نظم و نثر نے فارسی زبان کو درجہ کمال پر پہنچایا۔ آنے والی نسلوں نے سعدی کا جتنا اثر قبول کیا، دنیا میں جتنی شہرت ہوئی اور مشرقی ادب کو جتنا متاثر کیا شاید ہی کوئی دوسرا شخص اس مرتبہ تک پہنچا ہو۔ سعدی نہ صرف ایران بلکہ تمام اسلامی ممالک میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

شیخ کی پیدائش شیراز میں ہوئی تھی، وہ شیراز، جو صدیوں ایران کا پایۂ تخت اور علوم و فنون کا مرکز رہ چکا ہے۔ پیدائش غالباً ۵۸۹ ہجری مطابق ۱۱۹۳ء میں اور وفات ۶۹۱ ہجری میں ہوئی۔ اس طرح شیخ نے ۱۰۲ برس کی عمر پائی، بعض نے ۱۲۰ بھی لکھی ہے۔ شیخ کے والد عبداللہ شیرازی بادشاہ ابو بکر سعد زنگی کے ملازم تھے اور شیخ نے اسی نسبت سے سعدی تخلص کیا کیونکہ اس کے ہی دور حکومت میں حد کمال کو پہنچے۔

شیخ کے والد عبداللہ، باخدا آدمی تھے اور گھر میں دینداری کا ماحول تھا۔ شیخ نے جس وقت ہوش سنبھالا تو اس وقت شیراز میں علماء، فضلاء، مشائخ کا ہجوم تھا۔ لیکن جب جنگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہوا تو شیراز بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا، اس فضا میں شیخ کا ذوق علم پورا نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ شیخ شیراز سے چل کر بغداد پہنچ گئے۔ اس وقت بغداد میں مشہور زمانہ دانشگاہ «مدرسہ نظامیہ» آباد تھا۔ اس مدرسہ کو سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی

نے ۴۵۹ ہجری میں بغداد میں قائم کیا تھا اور اس کی شہرت تمام اسلامی دنیا میں پھیل چکی تھی۔ شیخ کو نظامیہ کی کشش، بغداد کھینچ لائی، بغداد میں شیخ کو علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی کی شاگردی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے مریدی کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ جب تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو اکثر اقالیم کی سیر و سیاحت میں تقریباً تیس برس گزار دیئے۔ گلستان وبوستان کے علاوہ شیخ کے قصائد، غزلیات، قطعات، ترجیع بند، رباعیات، مقالات اور عربی قصائد بھی ہیں جو ان کی کلیات میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ سعدی نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کو جتنا متاثر کیا، دنیا میں ان کی جتنی شہرت ہوئی اور علوم مشرقیہ خاص کر ادبیات ایران کو جو جلا بخشی اس کی کوئی اور دوسری مثال سامنے نہیں آتی۔ بقول رضازادہ شفق:

سعدی نے غزل کو اکثر احساسات کے تعبیر کا ذریعہ بنایا اور قصیدہ پر جسے انہوں نے خاص مقصد کے لئے استعمال کیا، اسے ترجیح دی، غزل کو رواج دیا اور سچ تو یہ ہے کہ آئین سخن سرائی میں ہمارے شاعر نے دماغ کے ساتھ دل کی اور احساسات کے ساتھ خرد کی جنگ وجدل کا تماشہ عجیب اور پُر لطیف طریقہ پر دکھایا۔

سعدی کی استادی نہ صرف نظم میں بلکہ نثر میں بھی مسلم ہے، سعدی کی نثر مسجع ہے اور اس کا بہترین نمونہ «گلستان» ہے۔ گلستان مندرجہ ذیل آٹھ ابواب پر مشتمل ہے:

۱. در سیرت بادشاہان؛ ۲. در اخلاق درویشان؛ ۳. در فضیلت قناعت؛ ۴. در فوائد خاموشی؛ ۵. در عشق وجوانی؛ ٦. در ضعف وپیری؛ ۷. در تاثیر صحبت؛ ۸. در آداب صحبت

گلستان اجتماعی، اخلاقی اور تربیت کے بہترین نکات سے مزین ہے، اس کتاب کو تمام عالم میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ جس طرح گلستان نثر میں ایک بہترین اخلاقی درس کی کتاب ہے اسی طرح بوستان نظم میں اخلاقی تربیت کرتی ہے۔

شیخ سعدی ہندوستان میں خاص طور پر گلستان و بوستان کی وجہ سے معروف ہیں۔

بچوں کے ابتدائی درس سے لے کر ہر علمی مجلس ان کتابوں کے بنا ادھوری شمار کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ سلاطین کے دربار میں، صوفیا کی مجالس میں، منشیوں کے نصاب میں شامل رہی ہیں۔ متعدد مصنفین نے اپنی تالیف کو چار چاند لگانے کی غرض سے ان کتابوں کے اقتباسات اپنی تالیفات میں شامل کئے ہیں[1]۔ ان کتابوں کے اتنے قلمی نسخہ تیار ہوئے ہیں شاید ہی کسی دوسری کتاب کو یہ شرف حاصل ہو، دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی لائبریری جہاں عربی فارسی کی کتابیں ہوں ایسا ممکن نہیں کہ ان میں گلستان نہ ہو۔ سلاطین و بادشاہ ایک دوسرے کو اس کا تحفہ دینا میں عزت سمجھتے تھے، امرا، رئیس اور معمولی سے عہدیدار بھی اس کے نسخہ بڑے اہتمام سے کتابت کراتے تھے۔ شیخ سعدی کی گلستان اور بوستان نصیحت' بصیرت اور بصارت کی آئینہ دار ہیں، اخلاقی تربیت' اعلیٰ انسانی صلاحیت اور بہتر صحبت کے اثرات کی مثالوں سے مزئین ہیں۔ان میں دلچسپ اور نصیحت آموز کہانیوں کے ذریعے زندگی کے حقائق کا پردہ بڑی دانشمندی سے اٹھایا گیا ہے کہ یہ کتابیں ہر زمانے کے لئے نصیحت و عبرت کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ سعدی شیرازی کی ادبی' فکری اور دانشورانہ صلاحیتوں کا یہ کرشمہ تھا کہ ان کے بعد کے وقتوں میں دنیا کے کروڑوں طالب علموں اور

---

۱. منشی سجان رای نے «خلاصۃ الانشا» میں اس کا اقتباس شامل کیا ہے۔ (تاریخ ادب فارسی در پاکستان، جلد دوم، ص ۲۳۰)

- «طوطی نامہ» حمید لاہوری میں دو حکایت گلستان سے اخذ کی گئیں ہیں (تاریخ ادب فارسی در پاکستان، جلد اول، ص ۶۵)
- بایزید انصاری نے اپنی عارفانہ تصنیف «صراط التوحید» میں گلستان سے استفادہ کیا ہے۔ (تاریخ ادب فارسی در پاکستان، جلد دوم، ص ۴۳۲)
- ملک محمد نیاز پیارو ولد ملک پیارو نے اکبر کے دور میں «گلستان اور بوستان» کا جواب «شکرستان اور چمنستان» کے عنوان سے لکھا۔ (حدیقہ ہندی، ص ۳۸۵)

فارسی زبان پڑھنے والوں کی تعلیم اور زبان دانی گلستان اور بوستان کے بغیر ادھوری تصور کی جاتی تھی۔ ان کا یہ کارنامہ علم کی وہ روشن منار ہے جس نے اخلاقی تعلیم کے پہلوؤں کو اجاگر کرکے نہ صرف زندگی کو مثالی بنایا بلکہ جاودانگی بخشی۔ یہ صرف نظم و نثر کی کتاب نہیں اور نہ تصوف کی کتاب ہے جو عالم اسلام تک محدود ہو۔ یہ وہ کتاب ہے جسے دنیا بھر میں ایک قدر و منزلت حاصل ہے بلکہ غیر مذاہب بھی آپ کی تعلیم کے قدردان ہیں۔ تمام عالم کے دانشمند اور محققین نے شیخ سعدی کی تصنیفات کے تراجم کرکے اپنے یہاں اخلاقی تعلیم کو فروغ دیا۔ ان سبھی کے نزدیک سعدی تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ گلستان کے مختلف زبانوں میں تراجم کی وجہ سے فارسی زبان کی مثالیں دیگر زبانوں میں موتیوں کی مانند استعمال ہوتی ہیں، اور بعض فقرے اور جملہ لوگوں کی زبان پر ازبر ہیں۔ ان کی تصانیف کا ترجمہ دنیا کی تقریبا تمام اہم زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں شیخ سعدی اور ان کی تصنیفات کو شاید دنیا میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ گلستان کے متعدد ہندوستانی زبانوں میں تراجم ہوئے، بہت سی شرحیں اور فرہنگیں لکھی گئیں، غرض کہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں نے اپنی بساط کے مطابق اس کی پذیرای کی۔ شیخ سعدی کی ہندوستان میں مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خواجہ الطاف حسین حالی کی مشہور زمانہ کتاب «حیات سعدی» اتنی پسند کی گئی کہ اس کتاب کے ۱۰ سے زیادہ ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور یہ کام ابھی تک جاری ہے ابھی حال ہی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے سابق صدر پروفیسر اسد علی خورشید کے لکھے حواشی اور مقدمہ کے ساتھ دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے شایع کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیخ سعدی شیرازی کی تمام علمی جدوجہد اور کارنامہ چاہے وہ نثر میں ہوں یا نظم میں آج تک اخلاقی درس وتربیت کا کام ہمارے درمیان انجام دے رہیں ہیں اور رہتی دنیا تک اس کام کو بخوبی کرتے رہیں گے۔

گلستان سعدی

منت خدای را، عزوجل که طاعتش موجب قربت است و بشکر اندرش مزید نعمت. هر نفسی که فرو می‌رود ممَّد حیات است و چون بر می‌آید مفرح ذات. پس در هر نفسی دو نعمت موجود است و بر هر نعمتی شکری واجب.

از دست و زبان که برآید کز عهدهٔ شکرش به درآید؟

اِعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ[1]

بنده همان به که ز تقصیر خویش عذر به درگاه خدای آورد

ورنه سزاوار خداوندیش کس نتواند که بجای آورد

باران رحمت بی‌حسابش همه را رسیده و خوان نعمت بی‌دریغش همه جا کشیده. پردهٔ ناموس بندگان به گناه فاحش ندرد، وظیفهٔ روزی به خطای منکر نبرد.

ای کریمی که از خزانهٔ غیب گبر و ترسا وظیفه خورداری

دوستان را کجا کنی محروم تو که با دشمن این نظر داری؟

فراش باد صبا را گفته تا فرش زمردین بگسترد و دایهٔ ابر بهاری را فرموده، تا بنات نبات در مهد زمین بپرورد. درختان را به خلعت نوروزی قبای سبز ورق در بر گرفته و اطفال شاخ را به قدوم موسم ربیع کلاه شکوفه بر سر نهاده. عصاره نالی به قدرت او شهد فایق

---

۱. سورۂ سبأ، آیت ۱۳۔ ترجمہ: اے داؤد کی اولاد (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔

شد و تخم خرمایی به تربیتش نخل باسق گشته

ابر و باد و مه و خورشید و فلک در کارنـد

تاتو نانی به کف آری و به غفلت نخوری

همه از بهر تـو سـر گشـته و فرمـانبردار

شرط انصاف نباشد که تـو فرمـان نبـری

در خبر است از سرور کاینات و مفخر موجودات و رحمت عالمیان و صفوت آدمیان و تتمهٔ دور زمان محمد مصطفی صلی الله علیه و آله وسلم:

شـفیع مُطـاع نبـی کـریم قسیم جسیم نسیم وسیم[1]

چه غـم دیوار امت را که دارد چـون تو پشتیبان؟

چه باک از موج بحر آن را که باشد نوح کشتیبان

بلـغ العلـی بکمالـه کشـف الـدجی بجمالـه

حسـنت جمیـع خصـاله صـلوا علیـه و آلـه[2]

هر گاه که یکی از بندگان گنه‌گار پریشان روزگار دست انابت به امید اجابت به درگاه حق جلّ و عَلَا بر دارد ایزد تعالی در وی نظر نکند. بازش بخواند. باز اعراض کند. بازش به تضرع و زاری بخواند، حق سبحانه و تعالی گوید: "یا ملائکتی قَد استَحْییتُ مِن عبدی و لَیس

---

۱. سفارش کرنے والے، اطاعت کئے گئے، نبی، سخی، حسین، بھاری بھر کم، پاکیزہ اور خوبصورت۔

۲. اپنے کمال کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچے، اپنے جمال سے تاریکیوں کو روشن کیا، ان کی سب ہی عادتیں بھلی ہیں، ان پر اور ان کی اولاد پر درود پڑھو۔

لَهُ غیری فَقد غَفَرت لَهُ"[1]. دعوتش را اجابت کردم و حاجتش بر آوردم که از بسیاری دعا و زاری بنده همی‌شرم دارم.

کرم بـین و لطـف خداونـد گـار گنه بنده کردست و او شرمسـار

عاکفان کعبهٔ جلالش به تقصیر عبادت معترف که: "ماَ عَبدَناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ"[2] و واصفان حلیهٔ جمالش به تحیر منسوب که: "ما عرفناک حق معرفتک"[3]

گر کسی وصـف او ز مـن پرسـد بیدل از بی‌نشان چـه گویـد بـاز؟
عاشـــقان کشـــتگان معشـــوقند بـــر نیایـــد ز کشـــتگان آواز

یکی از صاحبدلان سر به جیب مراقبت فرو برده بود و در بحر مکاشفت مستغرق شده. آنگه که از این حالت باز آمد، یکی از دوستان گفت: از این بستان که بودی ما را چه تحفه کرامت کردی؟ گفت به خاطر داشتم که چون به درخت گل رسم دامنی پر کنم هدیهٔ اصحاب را. چون برسیدم بوی گلم چنان مست کرد که دامنم از دست برفت.

ای مرغ سـحر، عشـق ز پروانـه بیـاموز
کـان سـوخته را جـان شـد و آواز نیامـد
ایـن مـدعیان در طلـبش بـی‌خبراننـد

---

۱. حدیث قدسی: اے میرے ملائکہ مجھے اپنے بندے سے حیا آگئی ہے اور اس کے لئے میرے سوا کون ہے، سو میں نے اس کی مغفرت کر دی۔
۲. ہم نے کماحقہ تیری عبادت نہیں کی۔
۳. ہم نے تجھے ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہئے تھا۔

کان را که خبـر شـد، خبـری بـاز بیامـد
ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وهم
وز هرچه گفته‌اند و شنیدیم و خوانده‌ایـم
مجلس تمام گشت و به آخر رسید عمـر
ما همچنان در اول وصف تـو مانـده‌ایـم

ذکر جمیل سعدی[۱] که در افواه عوام افتاده است و صیت سخنش که در بسیط زمین رفته و قصب‌الجیب حدیثش که همچون شکر می‌خورند و رقعهٔ منشآتش که چون کاغذ زر می‌برند، بر کمال فضل و بلاغت او حمل نتوان کرد، بلکه خداوند جهان و قطب دایرهٔ زمان و قایم مقام سلیمان و ناصر اهل ایمان، اتابک اعظم، مظفرالدنیا والدین، ابوبکر سعد بن زنگی «ظل الله تعالی فی ارضه ربّ ارض عنه و ارضه»[۲] به عین عنایت نظر کرده است و تحسین بلیغ فرموده و ارادت صادق نموده لاجرم کافهٔ انام از خواص و عوام به محبت او گراییده‌اند که "الناس علی دین ملوکهم"[۳].

زان گه که ترا برمن مسکین نظر است
آثـــارم از آفتـــاب مشـــهورتر اســـت
گر خود همه عیبها بدین بنده در اسـت

---

۱. یعنی بادشاہ ابوبکر سعد بن زنگی کی خوبیوں کا ذکر۔
۲. جو اللہ کی سرزمین میں اس کا سایہ ہے اے خدا تو اس سے راضی ہو اور اس کو راضی کر۔
۳. حدیث نبوی: لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔

هر عیب که سلطان بپسندد هنر است

*

گلی خوشبوی در حمام روزی رسید از دست محبوبی به دستم
بدو گفتم که مشکی یا عبیری که از بوی دلاویز تو مستم
بگفتا من گلی ناچیز بودم و لیکن مدتی با گل نشستم
کمال همنشین در من اثر کرد و گرنه من همان خاکم که هستم

"اللّهم متّع المسلمین بطول حیاته و ضاعف جمیل حسناته و ارفع درجات اَودّائه و ولاته و دَمَّر غلاة اعدائه و شناته بما تلی فی القرآن من آیاته اللهم امن بلده واحفظ ولده"[1].

لقد سعد الدنیا به دام سعده و ایده المولی بالویة النّصر
کذلک ینشأ لینة هو عرقها وحسن نبات الارض من کرم البذر[2]

ایزد تعالی و تقدس خطّهٔ پاک شیراز را به هیبت حاکمان عادل و همت عالمان عامل، تا زمان قیامت در امان سلامت نگهدارد.

اقلیم پارس را غم از آسیب دهر نیست
تا بر سرش بود چو تویی سایهٔ خدا

---

۱. اے اللہ اس کی زندگی کی درازی سے مسلمانوں کو نفع بخش اور اس کے اچھے کاموں کا ثواب دوگنا عنایت فرما اور اس کے دوستوں کے مراتب بلند کر اور اس کے دشمنوں اور بدخواہوں کو ہلاک کر قرآن کی آیتوں کی برکت سے جن کی تلاوت کی جاتی ہے اور شہر کو پرامن رکھ اور اس کے لڑکے کی حفاظت فرما۔

۲. اس کی ذات سے دنیا نیک بخت ہوئی خدا اس کی سعادت کو ہمیشہ رکھے، اور مولیٰ مدد کے جھنڈوں سے اس کی تائید فرمائے، اسی طرح نشو نما پاتی ہیں وہ شاخیں جن کی وہ جڑ ہے، اور زمین کی پیداوار کی خوبی بیج کی اچھائی کی وجہ ہے۔

امروز کس نشان ندهد در بسیط خـاک
مانـنـــد آســـتان درت مـــأمن رضـــا
بر تست پاس خاطر بیچارگان و شـکر
بر ما و بـر خـدای جهـان آفـرین جـزا
یارب ز باد فتنه نگهـدار خـاک پـارس
چندانکــه خــاک را بــود و بــاد را بقــا

یک شب تأمل ایام گذشته می‌کردم و بر عمر تلف کرده تأسف می‌خوردم و سنگ سراچهٔ دل به الماس آب دیده می‌سفتم و این بیت‌ها مناسب حال خود می‌گفتم:

هــر دم از عمــر مــی‌رود نفســی — چون نگه مــی‌کـنم، نمانـد بسـی
ای که پنجـاه رفـت و در خـوابی — مگـــر ایـــن پـــنج روزه دریـــابی
خجل آنکس که رفت و کار نساخت — کوس رحلت زدند و بـار نسـاخت
خـــواب نوشـــین بامـــداد رحیـــل — بـــاز دارد پیـــاده را ز ســـبیل
هر که آمـد عمـارتی نـو سـاخت — رفت و منزل به دیگری پرداخـت
و آن دگر پخت همچنین هوسـی — و این عمـارت بسـر نبـرد کسـی
یـــار ناپایـــدار دوســـت مـــدار — دوســـتی را نشـــاید ایـــن غـــدار
نیک و بد چون همی بایـد مـرد — خنک آنکس که گوی نیکی بـرد
برگ عیشی به گور خویش فرسـت — کس نیارد ز پس، ز پیش فرسـت
عمر بـرف اسـت و آفتـاب تمـوز — اندکی ماند و خواجـه غـره هنـوز
ای تهـی دسـت رفتـه در بـازار — ترســمت پــر نیــاوری دســتار
هر که مزروع خود بخورد به خوید — وقت خـرمنش خوشـه بایـد چیـد

بعداز تأمل این معنی مصلحت چنان دیدم که در نشیمن عزلت نشینم و دامن صحبت فراهم چینم و دفتر از گفته‌های پریشان بشویم و من بعد پریشان نگویم.

زبان بریده به کنجی نشسته صُمٌّ بکـم
به از کسی که نباشد زبانش اندر حکـم

تا یکی از دوستان که در کجاوه انیس من بود و در حجره جلیس، به رسم قدیم از در درآمد. چندان که نشاط ملاعبت کرد و بساط مداعبت گسترد، جوابش نگفتم و سر از زانوی تعبد بر نگرفتم. رنجیده نگه کرد و گفت:

کنونت که امکـان گفتـار هسـت بگو ای برادر به لطـف و خوشـی
که فردا چو پیـک اجـل در رسـد به حکم ضرورت زبـان در کشـی

کسی از متعلقان منش بر حسب واقعه مطلع گردانید که فلان عزم کرده است و نیت جزم که بقیت عمر معتکف نشیند و خاموشی گزیند. تو نیز اگر توانی، سرِ خویش گیر و راه مجانبت پیش. گفتا به عزت عظیم و صحبت قدیم که دم بر نیارم و قدم بر ندارم، مگر آنگه که سخن گفته شود به عادت مألوف و طریق معروف که آزردن دوستان جهل است و کفارت یمین سهل و خلاف راه صواب است و نقص رای اولوالالباب، ذوالفقارِ علی در نیام و زبان سعدی در کام.

زبان در دهان ای خردمند چیست کلیـد درِ گـنج صـاحب هنـر
چو در بسته باشد، چه داند کسـی که جوهر فروش است، یا پیله ور

*

اگرچه پیش خردمنـد خامشـی ادب اسـت
به وقت مصلحت آن به که در سخن کوشـی
دو چیز طیرهٔ عقـل اسـت: دم فـرو بسـتن
به وقت گفتن و گفتن بـه وقـت خـاموش

فی‌الجمله زبان از مکالمهٔ او در کشیدن قوت نداشتم و روی از محاورهٔ او گردانیدن مروت ندانستم که یار موافق بود و ارادت صادق.

چو جنگ آوری باکسی بر سـتیز که از وی گزیرت بـود یـا گریـز

به حکم ضرورت سخن گفتم و تفرج کنان بیرون رفتیم، در فصل ربیع که صولت برد آرمیده بود و ایام دولت ورد رسیده.

پیـــراهن بـــرگ بـــر درختـــان چـون جامـهٔ عیـد نیـک‌بختـان

*

اول اُردیبهشـــت مـــاه جلالـــی بلبـل گوینـده بـر منـابر قضـبان
بر گل سرخ از غـم افتـاده لالـی همچو عرق بر عذار شاهد غضبان

شب را به بوستان با یکی از دوستان اتفاق مبیت افتاد. موضعی خوش و خرم و درختان درهم، گفتی که خردهٔ مینا بر خاکش ریخته و عقد ثریا از تاکش آویخته:

رَوضَـــةٌمُمَّاءُ نَهرهـــاَ سَلسَـــالٌ دَوحَةٌ سَجعُ طَیرهـا مَـوزُونٌ[1]
آن پـر از لالـه‌هـای رنگارنـگ وین پر از میوه‌هـای گونـاگون
بـــاد در ســـایهٔ درختـــانش گســـترانیده فـــرش بوقلمـــون

---

۱ ترجمہ: ایک ایسا باغ جس کی نہر کا پانی جاری، ایسا درخت جس کے پرندوں کا گانا موزوں۔

بامدادان که خاطر باز آمدن بر رأی نشستن غالب آمد، دیدمش دامنی گل و ریحان و سنبل و ضیمران فراهم آورده و رغبت شهر کرده. گفتم: گل بستان را چنانکه دانی بقایی و عهد گلستان را وفایی نباشد و حکما گفته‌اند: هرچه نپاید، دلبستگی را نشاید. گفتا طریق چیست؟ گفتم برای نزهت ناظران و فسحت حاضران کتاب گلستان توانم تصنیف کردن که باد خزان را بر ورق او دست تطاول نباشد و گردش زمان عیش ربیعش به طیش خریف مبدل نکند.

به چه کار آیدت ز گل طبقی از گلستان من ببر ورقی
گل همین پنج روز و شش باشد وین گلستان همیشه خوش باشد

حالی که من این بگفتم، دامن گل بریخت و در دامن آویخت که: اَلْکَرِیمُ اِذَا وَعَدَ وَفیٰ[1] فصلی در همان روز اتفاق بیاض افتاد در حسن معاشرت و آداب محاورت، در لباسی که متکلمان را به کار آید و مترسلان را بلاغت بیفزاید. فی‌الجمله هنوز از گل بستان بقیتی موجود بود که کتاب گلستان تمام شد...

حکایت

پادشاهی را شنیدم به کشتن اسیری اشارت کرد. بیچاره در آن حالت نومیدی ملک را دشنام دادن گرفت و سقط گفتن که گفته‌اند هر که دست از جان بشوید، هرچه در دل دارد بگوید.

---

۱ ترجمہ: شریف جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے۔

وقت ضرورت چو نماند گریز　　دست بگیرد سر شمشیر تیز
اِذَا یئِسَ الاِنسَانُ طَالَ لِسَانهُ　　کَسِنَّورِ مَغلُوبٍ یصُولُ عَلَی الکَلبِ[1]

ملک پرسید: چه می‌گوید؟ یکی از وزرای نیک محضر گفت: ای خداوند همی‌گوید: وَالکَاظِمِینَ الغَیظَ وَالعَافِینَ عَنِ النَّاسِ[2] ملک را رحمت آمد و از سر خون او در گذشت. وزیر دیگر که ضد او بود، گفت: ابنای جنس ما را نشاید در حضرت پادشاهان جز به راستی سخن گفتن. این ملک را دشنام داد و ناسزا گفت. ملک روی از این سخن درهم آورد و گفت: آن دروغ پسندیده‌تر آمد مرا زین راست که تو گفتی که روی آن در مصلحتی بود و بنای این بر خبثی و خردمندان گفته‌اند: دروغی مصلحت‌آمیز به که راستی فتنه‌انگیز.

هر که شاه آن کند که او گوید　　حیف باشد که جز نکو گوید

برطاق ایوان فریدون نبشته بود:

جهان ای برادر نماند به کس　　دل اندر جهان آفرین بند و بس
مکن تکیه بر ملک دنیا و پشت　　که بسیار کس چون تو پرورد و کشت
چو آهنگ رفتن کند جان پاک　　چه بر تخت مردن، چه بر روی خاک

حکایت

یکی از ملوک خراسان محمود سبکتگین را به خواب دید که جملهٔ

---

۱. ترجمہ: انسان جب ناامید ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے، جیسے دبی ہوئی بلّی کتّے پر حملہ کر دیتی ہے۔
۲. ترجمہ: وہ لوگ بہت اچھے ہیں جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

وجود او ریخته بود و خاک شده، مگر چشمان او که همچنان در چشم خانه همی‌گردید و نظر همی‌کرد. سایر حکما از تأویل این فرو ماندند مگر درویش که بجای آورد و گفت هنوز نگران است که ملکش با دگران است.

بس نامور به زیـر زمـین دفـن کـرده‌انـد
کز هشتیش به روی زمین بر، نشان نماند
وان پیر لاشـه را کـه سـپردند زیـر گـل
خاکش چنان بخورد کزو استخوان نمانـد
زنده است نـام فـرخ نوشـیروان بـه خیـر
گرچه بسی گذشت که نوشـیروان نمانـد
خیری کن ای فلان و غنیمت شمار عمر
زان پیشتر که بانگ بر آیـد فـلان نمانـد

حکایت

ملک‌زاده‌ای را شنیدم که کوتاه بود و حقیر و دیگر برادران بلند و خوب روی. باری پدر به کراهیت و استحفاف در او نظر می‌کرد. پسر به فراست و استبصار بجای آورد و گفت: ای پدر، کوتاهِ خردمند، به که نادان بلند. نه هرچه به قامت مهتر به قیمت بهتر.

آن شنیدی کـه لاغـری دانـا گفت بـاری بـه ابلهـی فربـه
اسب تازی و گر ضـعیف بـود همچنان از طویله‌ای خـر بـه

پدر بخندید و ارکان دولت پسندیدند و برادران به جان برنجیدند.

تا مـرد سـخن نگفتـه باشـد عیب و هنـرش نهفتـه باشـد

هر پیسه گمـان مبـر نهـالی باشد که پلنـگ خفتـه باشـد

شنیدم که ملک را در آن قرب دشمنی صعب روی نمود، چون لشکر از هر دو طرف روی درهم آوردند، اول کسی که به میدان درآمد، این پسر بود. گفت:

آن نه من باشم که روز جنگ بینـی پشـت مـن
آن منم گر درمیان خـاک و خـون بینـی سـری
کان که جنگ آرد، به خون خویش بازی می‌کند
روز میدان و آن که بگریزد، بـه خـون لشـکری

این بگفت و بر سپاه دشمن زد و تنی چند مردان کاری بینداخت. چون پیش پدر آمد، زمین خدمت ببوسید و گفت:

ای که شخص منت حقیر نمـود تـا درشـتی هنـر نپنـداری
اسب لاغـر میـان بـه کـار آیـد روز میـدان، نـه گـاو پـرواری

آورده‌اند که سپاه دشمن بسیار بود و اینان اندک. جماعتی آهنگ گریز کردن، پسر نعره زد و گفت: ای مردان بکوشید تا جامهٔ زنان نپوشید. سواران را به گفتن او تهور زیادت گشت و به یک بار حمله آوردند. شنیدم که هم در آن روز بر دشمن ظفر یافتند. ملک سرو چشمش ببوسید و در کنار گرفت و هر روز نظر بیش کرد، تا ولی‌عهد خویش کرد. برادران حسد بردند و زهر در طعامش کردند. خواهر از غرفه بدید، دریچه برهم‌زد. پسر دریافت و دست از طعام کشید و گفت محال است که هنرمندان بمیرند و بی‌هنران جای ایشان بگیرند.

کس نیاید بـه زیـر سـایهٔ بـوم ور همای از جهان شود معـدوم

پدر را از این حال آگهی دادند. برادرانش را بخواند و گوشمالی بواجب بداد. پس هر یکی را از اطراف بلاد حصه‌ای معین کرد تا فتنه بنشست و نزاع برخاست که ده درویش در گلیمی بخسبند و دو پادشاه در اقلیمی نگنجند.

نیم نانی گر خورد مرد خدای　　بذل درویشان کند نیمی دیگر
ملک اقلیمی بگیرد پادشاه　　همچنان دربند اقلیمی دگر

حکایت

طایفه‌ای از دزدان عرب بر سر کوهی نشسته بودند و منفذ کاروان بسته و رعیت بلدان از مکاید ایشان مرعبوب و لشکر سلطان مغلوب. به حکم آنکه ملاذی منیع از قلهٔ کوهی گرفته بودند و ملجأ و مأوای خود ساخته. مدبران ممالک آن طرف در دفع مضرت ایشان مشاورت همی‌کردند که اگر این طایفهٔ هم بر این نسق روزگاری مداومت نمایند، مقاومت ممتنع گردد.

درختی که اکنون گرفتست پای　　به نیروی شخصی برآید ز جای
و گر همچنان روزگاری هلی　　به گردونش از بیخ برنگسلی
سر چشمه شاید گرفتن به بیل　　چو پر شد، نشاید گذشتن به پیل

سخن بر این مقرر شد که یکی به تجسس ایشان بر گماشتند و فرصت نگاه می‌داشتند، تا وقتی که بر سر قومی رانده بودند و مقام خالی مانده. تنی چند مردان واقعه دیدهٔ جنگ آزموده را بفرستادند تا در شعب جبل پنهان شدند. شبانگاهی که دزدان باز آمدند سفر کرده و غارت آورده، سلاح از تن بگشادند و رخت و غنیمت بنهادند.

نخستین دشمنی که بر سر ایشان تاختن آورد خواب بود. چندان که پاسی از شب در گذشت.

قرص خورشید در سیاهی شد یونس اندر دهان ماهی شد

مردان دلاور از کمین بدر جستند و دست یکان یکان بر کتف بستند و بامدادان به درگاه ملک حاضر آوردند. همه را به کشتن اشارت فرمود. اتافقاً در آن میان جوانی بود میوهٔ عنفوان شبابش نو رسیده و سبزهٔ گلستان عذارش نو دمیده. یکی از وزرا پای تخت ملک را بوسه داد و روی شفاعت بر زمین نهاد و گفت: این پسر هنوز از باغ زندگانی بر نخورده و از ریعان جوانی تمتع نیافته. توقع به کرم و اخلاق خداوندی است که به بخشیدن خون او بر بنده منت نهد. ملک روی از این سخن درهم کشید و موافق رأی بلندش نیامد و گفت:

پرتو نیکان نگیرد هر که بنیادش بد است

تربیت نا اهل را چون گردگان بر گنبد است

نسل فساد اینان منقطع کردن اولیتر است و بیخ تبار ایشان بر آوردن که آتش نشاندن و اخگر گذاشتن و افعی کشتن و بچه نگه داشتن، کار خردمندان نیست.

ابر اگر آب زندگی بارد هرگز از شاخ بید بر نخوری

با فرومایه روزگار مبر کز نی بوریا شکر نخوری

وزیر این سخن بشنید، طوعاً و کرهاً پسندید و بر حسن رأی ملک آفرین خواند و گفت: آنچه خداوند دام ملکه فرمود، عین حقیقت است که اگر در صحبت آن بدان تربیت یافتی، طبیعت ایشان

گرفتی و یکی از ایشان شدی. اما بنده امیدوار است که در صحبت صالحان تربیت پذیرد و خوی خردمندان گیرد که هنوز طفل است و سیرت بغی و عناد در نهاد او متمکن نشده و در خبر است:

کُلُّ مَو لُودٍ یولَدُ عَلَی الفِطرَةِ وَاَبوَاهُ یهوِّدَانه و ینَصِّرَانه و یُمَجِّسَانه[1].

با بدان یار گشت همسر لوط　　خاندان نبوتش گم شد

سگ اصحاب کهف روزی چند　　پی نیکان گرفت و مردم شد

این بگفت و طایفه‌ای از ندمای ملک با وی به شفاعت یار شدند تا ملک از سر خون او در گذشت و گفت: بخشیدم، اگرچه مصلحت ندیدم.

دانی که چه گفت زال با رستم گرد　　دشمن نتوان حقیر و بیچاره شمرد

دیدیم بسی که آب سر چشمهٔ خرد　　چون بیشتر آمد شتر و بار ببرد

فی‌الجمله پسر را به ناز و نعمت بر آوردند و استادان به تربیت او نصب کردند؛ تا حسن خطاب و رَدّ جواب و آداب خدمت ملوکش در آموختند و در نظر همگنان پسندیده آمد. باری وزیر از شمایل او در حضرت ملک شمه‌ای می‌گفت که تربیت عاقلان در او اثر کرده است و جهل قدیم از جبلت او بدر برده. ملک را تبسم آمد و گفت:

عاقبت گرگ‌زاده گرگ شود　　گرچه با آدمی بزرگ شود

سالی دو بر این بر آمد. طایفهٔ اوباش محلت بدو پیوستند و عقد موافقت بستند تا به وقت فرصت وزیر و هر دو پسرش را بکشت و

---

۱. ترجمہ: ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

نعمت بی‌قیاس برداشت و در مغارهٔ دزدان به جای پدر بنشست و عاصی شد. ملک دست تحیر به دندان گزیدن گرفت و گفت:

شمشیر نیک ز آهن بد چون کند کسی
ناکس به تربیت نشود ای حکیم، کس
باران که در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لاله روید و در شوره بوم خس

*

زمین شوره سنبل بر نیارد　　در او تخم و عمل ضایع مگردان
نکویی با بدان کردن چنان است　　که بد کردن به جای نیک‌مردان

حکایت

یکی را از ملوکِ عجم حکایت کنند که دست تطاول به مال رعیت دراز کرده بود و جور و اذیت آغاز کرده، تا به جایی که خلق از مکاید فعلش به جهان برفتند و از کربت جورش راه غربت گرفتند. چون رعیت کم شد، ارتفاع ولایت نقصان پذیرفت و خزانه تهی ماند و دشمنان زور آوردند.

هر که فریاد رس روز مصیبت خواهد
گو در ایام سلامت به جوانمردی کوش
بندهٔ حلقه به گوش ار ننوازی، برود
لطف کن لطف که بیگانه شود حلقه به گوش

باری به مجلس او در کتاب، شاهنامه همی‌خواندند، در زوال

مملکت ضحاک و عهد فریدون. وزیر ملک را پرسید: هیچ توان دانستن که فریدون که گنج و ملک و حشم نداشت چگونه بر او مملکت مقرر شد؟ گفت: آنچنان که شنیدی خلقی بر او به تعصب گرد آمدند و تقویت کردند و پادشاهی یافت. گفت ای ملک، چو گرد آمدن خلقی موجب پادشاهی است تو مر خلق را پریشان برای چه می‌کنی، مگر سر پادشاهی کردن نداری؟

همان به که لشکر به جان پروری که سلطان به لشکر کند سروری

ملک گفت موجب گرد آمدن سپاه و رعیت چه باشد؟ گفت پادشاه را کرم باید،تا بر او گرد آیند و رحمت، تا در پناه دولتش ایمن نشینند و ترا این هر دو نیست.

نکند جور پیشه سلطانی که نیاید ز گرگ چوپانی

پادشاهی که طرح ظلم افگند پای دیوار ملک خویش بکند

ملک را پند وزیر ناصح موافق طبع مخالف نیامد، روی از این سخن درهم کشید و به زندانش فرستاد. بسی بر نیامد که بنی عم سلطان به منازعت خاستند و ملک پدر خواستند. قومی که از دست تطاول او به جان آمده بودند و پریشان شده، بر ایشان گرد آمدند و تقویت کردند تا ملک از تصرف این بدر رفت و بر آنان مقرر شد.

پادشاهی کو روا دارد ستم بر زیر دست

دوست‌دارش روز سختی دشمن زور آور است

با رعیت صلح کن، وزجنگ خصم ایمن نشین

زانکه شاهنشاه عادل را رعیت لشکر است

قابوس نامہ

قابوس نامہ کا شمار فارسی نثر کی صفِ اول کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ فارسی نثر کی نوجوانوں کے لئے نصیحت آمیز کتب میں یہ نہایت اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کے مؤلف کا نام عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر ابن زیار ہے جو کہ زیاری خاندان کے شہزادگان میں سے تھا۔ یہ کتاب اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے فرزند گیلان شاہ کے کامیاب زندگی گزارنے کے لائحہ عمل پر لکھی۔ یہ ایک باپ کا اپنے بیٹے کو پند و نصائح کا مجموعہ ہے اس میں ۴۴ ابواب ہیں، ہر باب میں زندگی کا ایک الگ اور خاص پہلو زیر بحث لایا گیا ہے۔

جیسے آداب معاشرت، رسومِ دوستی والفت، ترتیبِ زندگانی، کسبِ فضائل، محبت، تعیش، شراب نوشی، دولت، شادی بیاہ، اولاد کی تربیت، سپہ سالاری، عہدۂ وزارت، خوش نویسی، عہدہ ندیمی، آداب جہان بانی اور بادشاہی، شعر و شاعری، بڑھاپہ اور جوانی کا مقابلہ، کھانا پینا، ذاتی دیکھ بھال، شطرنج، چوگان بازی، غلام خریدنا اور ان کی تربیت، گھوڑے خریدنے کا ہنر، طالب علمی، تجارت کے اخلاقی اصول، گلوکاری اور وزارت وغیرہ وغیرہ۔ ان موضوعات کی مناسبت سے دلکش اور نصیحت آمیز ۵۰ حکایتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کتاب کے مؤلف کا تعلق ایران کے شاہی خاندان سے تھا۔ چوتھی اور پانچوی صدی میں اس خاندان نے گرگان و گیلان، زابلستان و طبرستان، کوہش و ری اور جبال وغیرہ میں حکمرانی کی۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ اس مملکت کی سرحدیں ایک طرف بحر خزر سے تو دوسری جانب خراسان سے ملتی تھیں، اِدھر ہمدان سے تو اُدھر اصفہان سے ملتی تھیں۔ اس سے ہمیں اس مملکت کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قابوس نامہ کے مؤلف کے خاندان کی عظمت اور بلندی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا

جاسکتا ہے کہ مشہور ایرانی محقق سعید نفیسی نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ اتنا افضل شاہی خاندان ایران کی تاریخ میں کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا:

"خانوادهٔ مؤلف این کتاب را فضیلت بزرگیست که تا کنون هیچ یک از خاندان‌های شاهی ایران را از صدر اسلام تا زمان ما دست نداده". (قابوس‌نامه، ص و)

قابوس نامہ کا مؤلف امیر کیکاؤس ایک نہایت، سچّا اور پارسا انسان تھا، شاعرانہ ذوق بھی رکھتا تھا اور فارسی زبان میں شعر بھی کہے ہیں لیکن اس کی نثر اشعار سے بہتر ہے اس کے شعر اوسط درجہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے شعری نمونہ قابوس نامہ میں جابجا ملتے ہیں۔ محمد عوفی نے اپنی کتاب لباب الالباب میں ان کے نام سے یہ رباعی درج کی ہے:

تا دور شدی سهم ای روی چو ماه
اندیشه فزون و صبر گم حال تباه
تن چون نی و بر چو نیل و رخساره گاه
انگشت بلب گوش بدر دیده براه

قابوس نامہ میں ادبی پہلو کی کچھ نادر اطلاعات بھی ملتی ہیں جیسے شاہنامہ کے بارے میں، فارسی زبان کے اوائل شعراء میں ایک نام ابوالموید بلخی کا بھی ملتا ہے، فارسی زبان میں شاہنامہ نویسی کی روایت زمانۂ قدیم سے ہے فردوسی نے دقیقی طوسی کے شاہنامہ سے استفادہ تو کیا ہی ہے بلکہ اس بزرگ شاعر کے لکھے ہوئے ایک ہزار اشعار بھی من و عن اپنے شاہنامہ میں داخل کئے ہیں۔ لیکن دقیقی اور فردوسی سے پہلے بھی شاہنامہ لکھنے کی کوشش ابوالموید بلخی نے بھی کی اور اس کا شاہنامہ نثر میں تھا یہ اطلاع قابوس نامہ میں ہمیں ملتی ہے (رضازادہ شفق، ص۵۶)۔

یہ کتاب «قابوس نامہ» کے نام سے معروف ہے اور ظاہراً ہمیشہ اسی نام سے مشہور

رہی ہے۔ ہر کسی نے اسے اسی نام سے نقل کیا ہے صرف عوفی نے جوامع الحکایات و لوامع الروایات میں اس کتاب کو اس نام سے نہیں لکھا ہے۔ یہ بات صاف ہے کہ اس کتاب کا نام قابوس نامہ نہیں تھا کیونکہ نا تو اس کتاب کے مؤلف کا نام قابوس ہے اور نہ قابوس کے لئے لکھی گئی، مؤلف کا نام کیکاؤس ہے اور جس کے لئے لکھی گئی اس کا نام گیلان شاہ ہے۔ قابوس تو اس کے جد کا نام ہے۔ اور اس متعلق سب سے محکم دلیل یہ ہے کہ مؤلف خود کتاب کے آغاز میں لکھتا ہے:

"این نصیحت‌نامه و این کتاب مبارک خریف را بر چهل و چهار باب نهادم". (ص ۳)

اس لئے کتاب کا اصلی نام نصیحت نامہ ہے۔

اس کتاب کی شہرت اور رواج کا عالم یہ ہے کہ تألیف کے فوراً بعد ہی دوسرے مؤلفین نے اس کتاب سے استفادہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ سنائی غزنوی نے حدیقۃ الحقیقہ ۵۶۳ ہجری میں تالیف کی یعنی قابوس نامہ سے صرف ۴۹ سال بعد انہوں نے قابوس نامہ کی حکایات کو اپنی کتاب میں حرف بہ حرف نقل کیا ہے۔ اسی طرح جوامع الحکایات و لوامع الروایات میں، قاضی احمد غفاری نے نگارستان میں، محمد حبلہ رودی نے جامع التمثیل میں اور بہت سے دیگر مصنفین نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کتاب سے قابل قدر استفادہ حاصل کیا ہے۔ جو اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو روشناس کراتا ہے۔ اس کتاب کے دنیا کی دیگر زبانوں میں جیسے اردو، ترکی، فرینچ اور انگریزی وغیرہ میں تراجم ہو چکے ہیں۔ قابوس نامہ اب تک سات بار ہندوستان و ایران سے شایع بھی ہو چکا ہے۔

قابوس نامہ عنصر المعالی

باب پنجم: درشناختن حق پدر ومادر[۱]

و بدان ای پسر که آفریدگار چون خواست که جهان‌آباد مانَد اسبابِ نسل پدید کرد در شهوت جانور، و پدر و مادر را سبب کون فرزند کرد پس همیدون از موجب خرد بر فرزند واجب بود پدر و مادر خود را حرمت داشتن و اصل او پدر و مادرست و تا نگویی که پدر و مادر را بر من چه حق‌ست؟ که ایشان را غرض شهوت بود مقصود نه من بودم؛ هر چند مقصود شهوت بود مضاعفِ شهوت شفقتی استاده است که از بهر تو خود را بکشتن سپارند و کمتر حرمت پدر و مادر آنست که هر دو واسطه‌اند میان تو و آفریدگار تو. پس چندانکه آفریدگار خود را و خود را حرمت داری واسطه را نیز در خورِ او بباید داشت و آن فرزند که مادام خرد رهنمون او بود از حق و مهر مادر و پدر خالی نباشد و خدای تعالی همی‌گوید در محکم تنزیل خود: "اَطِیعُوا اللَّهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ"[۲] این آیت را

---

۱. قابوس نامہ بہ اہتمام و تصحیح دکتر غلام حسین یوسفی۔

۲. سورۃ النساء، آیت ۵۹۔ فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ {ترجمہ محمد جوناگڑھی}

تفسیر کرده‌اند از چند روی و یک روایت چنین خوانده‌ام که: اولوالأمر پدر و مادرند که بحقیقت أمر بتازی دوست: یا کارست، یا فرمان و اولوالأمر آن بود که او را هم فرمان بود و هم تُوان و پدر و مادر را تُوانست بپروردن تو و فرمانست بخوبی آموختن. و زینهار ای پسر که رنج مادر و پدر خوار نداری که آفریدگار بحق مادر و پدر بسیار همی‌گیرد و خدای تعالی همی‌گوید: "فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا"[1].

و در خبرست که امیرالمؤمنین را علیه‌السلام پرسیدند که حق پدر و مادر بر فرزند چیست و چند است؟ گفت: این ادب خدای تعالی در مرگ پدر و مادر، پیغامبر را علیه‌السلام بنمود که اگر ایشان روزگار پیغامبر دریافتندی بر پیغامبر واجب بودی ایشان را برتر از خویشتن داشتن و حق ایشان بشناختن و دریشان تواضعِ کهتری و فرزندی نمودن؛ آنگاه این سخن ضعیف آمدی که گفت: "أَنَا سَيِّد وَلَد آدَم وَلا فَخْرَ"[2] پس حق پدر و مادر اگر از روی دین ننگری از روی مردمی و خرد بنگر که پدر و مادر منبت نیکی و اصل پرورش نفس تواند و چون در حق ایشان مقصر باشی چنان نماید که تو سزای هیچ نیکی نباشی که او حق شناسِ نیکی اصل نه باشد نیکی فرع را هم

---

۱. سورۃالاسراء، آیت ۲۳، ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا۔ (ترجمہ محمد جوناگڑھی)

۲. حدیث مبارکہ۔ میں بنی آدم کا سردار ہوں لیکن اس میں کوئی فخر نہیں۔

حق نداند و با ناسپاسان نیکی کردن از خیرگی بود و تو نیز خیرگی خویش مجوی و با پدر و مادر خویش چنان باش که از فرزندان خویش طمع داری که با تو باشند، زیرا که آنکه از تو زاید همان طبع دارد که تو ازو زادی چه مَثل آدمی چون میوه است و پدر و مادر چون درخت، هرچند درخت را تعهد بیش کنی میوهٔ او نیکوتر و بهتر باشد؛ چون مادر و پدر را حرمت و آزرم بیش داری دعا و آفرین ایشان اندر تو مستجاب‌تر باشد و بخشنودی خدای تعالی نزدیک تو باشی و نگر که از بهر میراث مرگ پدر و مادر نخواهی که بی‌مرگ پدر و مادر آنچه روزی تو باشد بتو برسد که روزی مقسوم‌ست، بهر کس آن رسد که در ازل قسمت کرده شده است و تو از بهر روزی رنج بسیار بر خویشتن منه که بکوشش روزی افزون نشود چه گفته‌اند مثل: "بالجَّد لابالکَّد"[۱].

و اگر خواهی که از بهر روزی از خدای تعالی خشنود باشی بامداد بکسی منگر که حال او از حال تو بهتر باشد، بدان کس نگر که حال او از حال تو بتر باشد تا دایم از خدای تعالی خشنود باشی و اگر بمال درویش گردی جهد کن تا بخرد توانگر باشی که توانگری خرد از توانگری مال بهتر باشد و جاهل از مال زود مفلس شود و مالِ خرد را دزد نتواند بردن و آب و آتش هلاک نتواند کردن. پس اگر خرد داری با خرد هنر آموز که خرد بی‌هنر چون تنی باشد بی‌جامه

---

[۱] قسمت سے نہ کہ محنت سے۔

و شخصی بود بی‌صورت، چه گفته‌اند مثل: "الادب صورة العقل"[1].

باب هفتم: درپیشی جستن از سخن‌دانی

باید که مرد سخن‌گوی و سخندان باشد اما تو ای پسر سخن‌گوی باش و دروغ گوی مباش. خویشتن را به راست‌گویی معروف کن تا اگر وقتی بضرورت دروغ گویی از تو بپزیرند و هرچه گویی راست‌گوی و لکن راست به دروغ مانند مگوی که دروغ براست همانا به از راست بدروغ همانا که آن دروغ مقبول بود و آن راست نامقبول. پس از راست گفتن نامعقول به پرهیز تا چنان نیوفتد که مرا با امیر ابوالسوار شاور بن الفضل[2] رحمة الله علیه افتاد.

حکایت

بدانکه من بروزگارِ امیر ابوالسوار آن سال که از حجِ اسلام بازآمدم به غزا رفتم بگنجه که غزای هندوستان خود بسیار کردم بودم خواستم که غزای روم نیز کرده شود و ابوالسوار مردی برجای و خردمند بود و پادشاهی بزرگ و سایس و عادل و شجاع و فصیح و متکلّم و پاک دین و پیش بین، چنانکه ملوکِ پسندیده باشند و همه جَّد بودی بی‌هزل. چون مرا بدید، بسیار حشمت کَرد و با من در سخن آمد وز هر نوعی همی‌گفتم و همی‌پرسید و من همی‌شنودم و

---

[1] ادب عقل کا عکس ہے۔

[2] امیر ابوالسوار شاور بن الفضل پانچویں صدی ہجری میں ارمنستان کے بادشاہ تھے، گنج شہر میں دفن ہیں، ارامنہ اور روم سے بہت سی جنگیں کیں، انکی وفات ۴۵۹ ہجری میں ہوئی۔

جواب همی‌دادم و سخن‌های من او را پسندیده آمد با من بسیار کرامت‌ها کرد و نگذاشت که باز گردم. وز بس احسان‌ها که همی‌کرد با من، من نیز دل بنهادم و چند سال به گنجه مقیم شدم و پیوسته به طعام و شراب در مجلس او حاضر بودمی و از هر گونه سخن‌ها از من همی‌پرسیدی از حال عالم و ملوک گذشته. تا روزی از ولایت ما سخن همی‌رفت و از حالِ ناحیتِ گرگان از من همی‌پرسید. من گفتم: به روستای گرگان اندر کوه دهی‌ست و چشمهٔ آب از ده دورست. زنان که آب آرند گروهی گرد آیند و هر کسی با سبوی و از آن چشمه آب بردارند و سبوی بر سر نهند و جمله باز گردند. یکی ازیشان بی‌سبوی از پیش ایشان همی‌آید و براه اندر همی‌نگرد و کرمیست سبز اندر زمینهای آن ده، هر کجا که آن کرم همی‌یابد از راه یکسو همی‌افگند تا این زنان پای بر آن کرم ننهند. چه اگر کسی ازیشان پای بر آن کرم نهد و کرم زیر پای او بمیرد این آب که اندر سبوی بر سر دارد در وقت گنده شود صعب چنانکه بباید ریختن و باز باید گشتن و سبوی شستن و دیگر باره آب از چشمه برداشتن.

چون من این سخن بگفتم امیر ابوالسوار روی ترش کرد و سر بگردانید و چند روز با من نه بر آن حال بود که پیش از آن بوده بود. تا پیروزانِ دیلم با من بگفت که: امیر گلهٔ تو کرد و گفت: فلان مردی بر جایست چرا باید که با من سخن چنان گوید که با کودکان گویند، چون او مردی را پیش من دروغ چرا باید گفت؟ من در حال قاصدی را از گنجه بگرگان فرستادم و محضری فرمودم کردن به شهادتِ

رئیس و قاضی و خطیب و جملهٔ عدول و علما و اشرافِ گرگان که: این ده برجاست و حالِ این کرم برین جمله است و به چهار ماه این درستی بیاوردم و محضر پیش امیر ابوالسوار نهادم و بدید و بخواند و تبسم کرد و گفت: من خود دانم که از چون تویی دروغ نیاید خاصه پیش چون منی؛ اما خود آن راست چه باید گفتن که چهار ماه روزگار باید و محضری بگوایی دویست معدل تا آن راست از تو قبول کنند؟ اما بدانکه سخن از چهار نوع است: یکی نه دانستنی است و نه گفتنی و یکی هم دانستنی است وهم گفتنی و یکی گفتنی است و نادانستنی و یکی دانستنی‌ست و ناگفتنی. امّا ناگفتنی و نادانستنی: سخنی است که دین را زیان دارد و آنکه گفتنی است و نادانستنی: سخنی است که در کتابِ خدای تعالی و در اخبارِ رسول صلی الله علیه وسلم باشد و اندر کتاب‌های علوم و علما که در تفسیر او تقلید بود و در تأویل او تعصب و اختلاف چون ید و وجه و نزول و ماند این. پس اگر کسی دل در تأویل آن بندد خدای عزوجل او را بدان بگیرد و آنکه هم گفتنی است و هم دانستنی‌ست: سخنی بود که صلاح دین و دنیا در آن بود و هم بدین جهان بکار آید و هم بدان جهان و از گفتن و شنودن آن گوینده و شنونده را نفع بود و آنکه دانستنی است و ناگفتنی: چنان بود که عیب محتشمی یا عیب دوستی ترا معلوم شود یا از طریق عقل یا از کار جهان ترا تخایلی بندد که آن نه شرعی بود؛ چون بگویی یا خشم آن محتشم ترا حاصل آید؛ یا آزار دوست حاصل شود، یا بیم شوریدنِ غوغا و عامه باشد بر

تو، پس این سخن‌دانستنی بود و ناگفتنی. اما ازین چهار نوع که گفتم بهترین آن سخن‌ست که هم دانستنی است و هم گفتنی. اما این چهار نوع سخن هر یکی را دو رویست: یکی نیکو و یکی زشت؛ سخن که بمردم نمایی بر روی نیکوترین نمای تا مقبول بود و مردمان درجهٔ تو بشناسند که بزرگان و خردمندان را به سخن دانند نه سخن را به مردم که مردم نهان‌ست زیرِ سخن خویش چنانکه بتازی گویند: "اَلْمَرْءُ مَخْبُوءٌ تَحْتَ لِسَانِهِ"[1] و سخن بود که بگویند به عبارتی که از شنیدن آن روح تازه گردد و همان سخن به عبارتی دیگر توان گفتن که روح تیره گردد.

حکایت

چنان شنودم که هارون الرشید خوابی دید بر آن جمله که پنداشتی که همه دندان‌های او از دهن بیرون افتادی به یکبار. بامداد معبری را بیاورد و پرسید که: تعبیر این خواب چیست؟ معبر گفت: زندگانی امیرالمؤمنین دراز باد، همه اقربای تو پیش از تو بمیرند چنانکه کس از تو باز نماند. هارون گفت: این مرد را صد چوب بزنید که بدین دردناکی سخنی در روی من بگفت چون همه قراباتِ من پیش از من جمله بمیرند پس آنگه من که باشم؟ خواب گزاری دیگر بیاوردند و همین خواب با وی بگفت. خواب گزار گفت: بدین خواب که امیرالمؤمنین دید دلیل کند که

---

۱. حدیث مبارکہ۔ آدمی کی شخصیت اس کی زبان میں پیوست ہوتی ہے۔

خداوند دراز زندگانی‌تر بود از همه قراباتِ خویش. هارون گفت: «طریق العقل واحد»[1] تعبیر از آن بیرون نشد اما از عبارت تا عبارت بسیار فرقست؛ این مرد را صد دینار بدهید و حکایتی دیگرم یاد آمد اگرچه نه حکایت کتاب‌ست «و لکن النادرة لاترد»[2].

حکایت

شنودم که مردی با غلام خویش خفته بود؛ غلام را گفت: کون زین سو کن. غلام گفت: ای خواجه این سخن نیکوتر ازین بتوان گفت. مرد گفت: چون گویم؟ غلام گفت: بگوی که روی از آن سو کن که اندر هر دو سخن غرض یکی‌ست اما تا به عبارت زشت نگفته باشی. مرد گفت: شنودم و بیاموختم و بجرم آن ناشایست که گفتم ترا آزاد کردم. پس پشت و روی سخن نگاه باید داشت و هرچه گویی بر روی نیکوتر باید گفتن تا هم سخن‌گوی باشی و هم سخن‌دان. اگر گویی و ندانی چه تو و چه آن مرغک که او را طوطک خوانند که وی نیز سخن‌گوی‌ست اما نه سخن‌دان‌ست و سخن‌گوی و سخن‌دان آن بود که هرچه گوید مردمان را معلوم شود تا از جملهٔ عاقلان بود و اگر نه چنین باشد بهیمه‌ای باشد مردم پیکر. اما سخن را بزرگ دان که از آسمان سخن آمد و هر سخن که بدانی از جایگاه سخن دریغ مدار و بنا جایگاه ضایع مکن تا بر دانش ستم نکرده باشی. اما هرچه

---

[1] عقل کا راستہ ایک ہے۔
[2] لیکن کسی نادر و کمیاب چیز کو رد نہیں کیا جاتا۔

گویی راست‌گوی، دعوی کنندهٔ بی‌معنی مباش و اندر همه دعوی‌ها برهان کمتر شناس و دعوی بیشتر و به علمی که ندانی دعوی مکن و از آن علم نان مطلب که غرضِ خویش از آن علم و هنر به حاصل توانی کردن که معلومِ تو باشد و به چیزی که ندانی به هیچ چیز نرسی.

حکایت

چنانکه گویند که بروزگارِ خسرو زنی پیش بزرجمهر آمد و از وی مسئله‌ای پرسید و در آن حال بزرجمهر سرِ آن سخن نداشت گفت: ای زن این که تو همی‌پرسی من ندانم. این زن گفت. پس تو که این ندانی این نعمتِ خدایگانِ ما بچه چیز می‌خوری؟ بزرجمهر گفت: بدان چیز که دانم و بدانکه ندانم ملک مرا چیزی نمی‌دهد ور باور نداری بیا و از ملک بپرس تا خود بدانچه ندانم مرا چیزی همی‌دهد یا نه؟

امّا ای پسر اندر کارها افراط مکن و افراط را شوم دان و اندر همه شغلی میانه باش که صاحبِ شریعتِ ما صلی الله علیه وسلم گفت: "خیرالامور اوسطها"[1] و در سخن گفتن و سخن گزاردن آهستگی عادت کن و اگر از گران سنگی و آهستگی نکوهیده گردی دوستردار از آنکه از سبک‌ساری و شتاب‌زدگی ستوده‌گردی و بدانستنِ رازی که بتو تعلق ندارد رغبت مکن و جز باخود رازِ

---

۱. حدیث مبارکہ۔ سب سے اچھی بات اعتدال ہے۔

خویش مگوی اگر بگویی آن سخن را زان پس راز مخوان. و پیش مردمان با کس راز مگوی که اگرچه درون سو سخن نیکو بود از بیرون سو گمان بزشتی برند که آدمیان بیشتر به یک دیگر بدگمان باشند و در هر کاری سخن و همت و حال باندازهٔ مال‌دار. هرچه گویی آن گوی که براستی سخن تو گوایی دهد و اگرچه به نزدیک مردمان سخن‌گوی صادق باشی و اگر نخواهی که بستم خود را معیوب کنی بر هیچ چیز گوا مشو، پس اگر شوی بوقتِ گوایی دادن احتراز کن، پس اگر گواهی دهی بمیل مده و هر سخنی که بگویند بشنو و لکن بکار بستن شتاب زده مباش و هرچه بگویی نا اندیشیده مگوی و همیشه اندیشه را مقدم گفتار دار تا بر گفته پشیمان نشوی که پیش اندیشی دوم کفایت‌ست و از شنودنِ هیچ سخن ملول مباش اگرت بکار آید و اگر نه بشنو تا درِ سخن بر تو بسته نبود و فایدهٔ سخن فوت نگردد و سرد سخن مباش که سخنِ سرد تخمی‌ست که ازو دشمنی روید. واگرچه دانا باشی خود را نادان شمر تا درِ آموختن بر تو گشاده گردد و هیچ سخن را مشکن و مستای تا نخست عیب و هنرِ آن ترا معلوم نگردد و سخن یک گونه گوی با خاص خاص و با عام عام تا از حَدِّ حکمت بیرون نباشی و بر مستمع وبال نگردد مگر در جایی که از تو در سخن گفتن دلیل و حجت نه شنوند آنگه سخن بر مراد ایشان همی‌گوی تا بسلامت از میان قوم بیرون آیی و اگرچه سخن‌دان باشی از خویشتن کمتر آن نمای که دانی تا بوقتِ گفتار و کردار پیاده نمانی و بسیاردان و کم گوی باش نه کم‌دان

بسیار گوی که گفته‌اند که: خاموشی دوم سلامت است و بسیار گفتن دوم بی‌خردی از آنکه بسیار گوی اگرچه خردمند باشد مردمان عامه او را از جملهٔ بی‌خردان شناسند و اگرچه بی‌خرد کسی باشد چون خاموش باشد مردمان خاموشی او از جملهٔ عقل دانند و هر چند پاک روش و پارسا باشی خویشتن ستای مباش که گواهی تو بر تو کس نشنود و بکوش تا ستودهٔ مردمان باشی نه ستودهٔ خویش و اگرچه بسیار دانی آن گوی که بکار آید تا آن سخن بر تو وبال نگردد چنانکه بر آن علوی زنگانی.

حکایت

شنیدم که به روزگار صاحب پیری بود به زنگان، فقیه و محتشم و از اصحاب شافعی مطلبی بود رحمة الله علیه، مُفتی و مُزکّی و مذکر زنگان بود. و جوانی علوی بود پسر رئیس زنگان، فقیه بود و هم مذکّری کردی. و پیوسته این هر دو را با یک دیگر مکاشفت بودی و بر سرِ کرسی یک دیگر را طعن‌ها زدندی. این علوی روزی بر سر کرسی این پیر را کافر خواند؛ خبر بدین شیخ رسی وی نیز این علوی را بر سر کرسی حرام‌زاده خواند. خبر بعلوی بردند سخت از جای بشد. در وقت برنشست و به شهر ری رفت و پیش صاحب از آن پیر گله کرد و بگریست و گفت: شاید که بروزگار تو کسی فرزند رسول را حرام‌زاده خواند؟ صاحب ازین خبر در خشم شد و قاصد فرستاد و آن پیر را به ری خواند و به مظالم بنشست با فقها و سادات

ری و این پیر را بفرمود آوردن و گفت: ای شیخ تو مردی از جملهٔ امامان اصحابِ شافعی باشی، مردی عالم و پیر و به لبِ گور رسیده، شاید که فرزند پیغامبر را حرامزاده خوانی؟ اکنون این که گفتی درست کن یا نه ترا عقوبتی هر کدام سخت‌تر بکنم تا خلق از تو عبرت گیرد و دیگر کس این بی‌ادبی و بی‌حرمتی نکند، چنانکه اندر شرع واجب‌ست. آن پیر گفت: برین سخن درستی، گوای من خود این علوی‌ست، بر نفس او خود به از او گواه مخواه. امّا بقول من او حلال‌زادهٔ پاک‌ست و بقول او حرامزاده است. صاحب گفت: بچه معنی؟ آن پی‌ر گفت که: همه زنگان دانند که نکاح مادر او با پدر او من بسته‌ام و وی بر سر منبر مرا کافر خوانده است؛ اگر این سخن از اعتقاد گفته است پس نکاحی که کافر بندد درست نباشد پس اگر این سخن از اعتقاد گفته است پس بقول او بی‌شک حرامزاده بود. پس اگر نه به اعتقاد گفت دروغ زن‌ست وحَّد بر وی لازم آید. اکنون به همه حال یا دروغ زن‌ست یا حرامزاده و فرزند پیغامبر علیه السلام دروغ زن نباشد چنانکه شما خواهید او را همی‌خوانید که بی‌شک ازین دو گانه به یک چیزش بباید استادن. آن علوی سخت خجل شد و هیچ جواب نداشت و آن سخنِ نااندیشیده بر وی وبال شد.

پس سخن‌گوی باش نه یافه‌گوی که یافه‌گویی دوم دیوانگی‌ست و با هر که سخن‌گویی همی‌نگر تا سخن ترا خریدار هست یا نه؟ اگر مشتری چرب یابی همی‌فروش و اگر نه آن سخن بگذار و آن گوی که او را خوش آید تا خریدارِ تو باشد. ولکن با مردمان مردم

باش و با آدمیان آدمی که مردم دیگرست و آدمی دیگر و هر کسی که از خواب غفلت بیدار گشت با خلق چنین زیَد که من گفتم و تا توانی از سخن شنیدن نفور مشو که مردم از سخن شنیدن سخن‌گوی شوند، دلیل بر آن که اگر کودکی را که از مادر جدا شود در زیر زمین برند و شیر همی‌دهند و همان جای همی‌پرورند، مادر و دایه با وی سخن نگویند و ننوازند و سخنِ کس نشنود، چون بزرگ شود لال بود و هیچ سخن نداند گفتن تا بروزگار که همی‌شنود و بیاموزد. دلیل بر آن که هر کری که مادرزاد بود لال بود و ازین سبب‌ست که همه لالان کر باشند. پس سخن‌ها بشنو و قبول کن خاصه سخن‌ها و پندهای ملوک و حکیمان که گفته‌اند که: پندِ حکما و ملوک شنیدن دیدهٔ خرد را روشن کند که توتیای چشمِ خرد حکمت‌ست پس سخن این قوم را بگوش دل باید شنودن و اعتماد کردن و ازین سخن‌ها اندرین وقت چند سخنِ نغز و نکت‌های بدیع یادم آمد از قول نوشروان عادل، ملکِ ملوک‌العجم، اندرین کتاب یاد کردم تا تو نیز بخوانی و بدانی و یاد گیری و کاربند باشی که کار بستنِ سخن‌ها و پند های آن پادشاه ما را واجب‌تر باشد که ما از تخمهٔ آن ملکیم.

بدانکه چنین خوانده‌ام از اخبار خلفای گذشته که مأمون خلیفه رحمة الله بتربتِ نوشروانِ عادل شد، آنجا که دخمهٔ[1] او بود و آن قصه درازست. اما مقصود اینست که مأمون در دخمهٔ او رفت اعضاهای او

[1] وہ تہہ خانہ جس میں کفارِ عجم مردوں کو رکھتے ہیں، گور خانہ گبران (لغاط کشوری، ص ۲۸۳)

را یافت بر تختی پوسیده و خاک شده و بر فراز تختِ وی بر دیوارِ دخمه خطی چند بزر نبشته بود به خط پهلوی. مأمون بفرمود تا دبیرانِ پهلوی را حاضر کردن و آن نبشت‌ها را بخواندند و ترجمه کردند بتازی؛ پس از تازی در عجم معروف شد.

اول گفته بود که: تا من زنده بودم همه بندگانِ خدای تعالی از عدل من بهره‌ور بودند و هرگز هیچ کس به خدمت پیش من نیامد که از رحمتِ من بهره نیافت؛ اکنون چون عاجزی آمد هیچ چاره ندانستم جزین که این سخن‌ها برین دیوار نبشتم تا اگر وقتی به زیارت من کسی بیاید، این لفظها بخواند و بداند، او نیز از من محروم نمانده باشد، این سخن‌ها و پندهای من پای مزدِ آن کس باشد و آن پندها اینست که نبشته آمدست.

باب سی و یکم: در طالب‌علمی و فقیهی و فقها

بدان ای پسر که گفتم که اولِ سخن که از پیش‌ها یاد کنم، غرضِ پیشه نه دکان‌داری‌ست، هر کاری که مردم کند و بر دست گیرد آن چون پیشه است، باید که آن کار را نیک بدانی ورزیدن تا از آن بر توانی خوردن. اکنون چنانکه من همی‌بینم هیچ پیشه و کاری نیست که آدمی آن بجوید که آن پیشه را از داستان و نظام مستغنی دانی الّا که همه را ترتیب دانستن باید و پیشه بسیارست، هر یکی را جدا شرح کردن ممکن نشود، قصه دراز گردد و کتابِ من از نهاد و اصل بشود و لکن از هر صفت که هست از سه وجه است: یا علمی است

که تعلق بپیشه دارد، یا پیشه است که تعلق بعلم دارد. یا خود پیشه است نص بسرِ خویش. امّا علمی که تعلق بپیشه دارد چون طبیبی و منجمی و مهندسی و مسّاحی و شاعری و مانندِ این و پیشه‌ای که تعلق بعلم دارد چون خُنیاگری و بیطاری و بنّایی و کاریزکنی و مانندِ این و این هر یکی را سامانیست که اگر تو رسم و سامانِ این ندانی اگرچه استاد کسی باشی در آن باب چون اسیری باشی. پیش‌های نص[1] خود معروف‌ست. بشرح حاجت نیفتد و لکن من چندانکه صورت بندد بگویم و سامانِ هر یک به تو نمایم از آنچه از دو بیرون نبود: یاخود ترا بدین دانش نیاز افتد از اتفاقِ روزگار و حوادث‌های زمنانه، باری بوقتِ نیاز از اسرارِ هر یکی آگاه باشی. پس اگر نیازت نباشد و همچنین مهتر باشی که هستی، مهتران را هم علمِ پیش‌ها دانستن لابد است.

بدان ای پسر که از هیچ بر نتوانی خورد الّا از علمِ آخرتی که اگر خواهی که از علمِ دُنیاوی بر خوری نتوانی خورد مگر که مخرقه درو آمیزی که با علمِ شرع که در کار قضا و قسامی و کرسی‌داری و مذکری در نرود نفعِ دنیا به عالمِ نرسد و در نجوم تا تقویم‌گری و مولودگری و فال‌گویی بجد و هزل در نه رود دنیا به منجم نرسد و

---

[1] خوب دریافت کرنا، کسی امر کو یہاں تک کے اصول حال اس کا کھل جائے۔ بلند کرنا کسی چیز کا، ظاہر کرنا، اور علم اصول کی اصطلاح میں وہ آیت قرآنی جس میں صاف صاف بیان ہو اور جو ظاہر اور ممتاز کر دے متشابہ کلام کو کہ یہ نیک ہے اور وہ بد، اور فارسی لوگ ہر کلام صریح اور آشکار اور پُر ظاہر کو (نص) کہتے ہیں۔ ((لغاط کشوری، ص۷۷٦،۷))

اندر طب تا دست کاری و رنگ‌آمیزی و هلیله دهی به صواب و ناصواب در نرود هم مراد حاصل نشود. پس بزرگوارترین علمی علمِ دین‌ست که اصولِ او نردبان توحیدست و فروعِ او احکامِ شرع است و مخرقهٔ او نفع دنیا. پس ای پسر تو نیز تا بتوانی گردِ عِلم دین گرد تا دین و دنیا بدست آری امّا اگر این توفیق بدست آری نخست اصولِ دین راست کن آنگاه فروع که فروع بی‌اصول تقلید بود.

فصل

پس اگر چُنانکه از پیش‌ها چنین که فرمودم طالبِ‌علم باشی پرهیزگار و قانع باش و علم‌دوست و دنیادشمن و بردبار و خفیف‌روح و دیرخواب و زودخیز و حریص به کتابت و درس و متواضع و آگاه از کار و حافظ و مکَّررِ کلام و متفحص سیر و متجسسِ اسرار و عالمِ دوست و متقرب و با حرمت و در آموختن حریص و بی‌شرم و حق‌شناسِ استادِ خود. والفغدهٔ تو باید که کتاب‌ها و اجزا و قلم و قلمدان و محبره وکاردِ قلم‌تراش و مانندِ این چیزها بُود و جزین دلِ تو به چیزی بسته نبود و هرچه نشنوی یادگرفتن و بازگفتن و کم‌سخن و دوراندیش باش و به تقلید راضی مباش که هر طالب علمی که ازین سیرت بُود زود یگانهٔ روزگار گردد.

فصل

و اگر عالمِی مفتی باشی با دیانت باش و بسیار حفظ و بسیار درس و

در عبادت و نماز و روزه تجاوز مکن و دو روی مباش و پاک‌دین و پاک‌جامه باش و حاضر جواب و هیچ مسئله را تا نیندیشی بزودی جواب مده و بی‌حجّتی به تقلید خویش قانع مباش و به تقلید کس کار مکن و رأی خود را عالی دان و بر وجهین و قولین قناعت مکن و جز بر خطِ معتمدان اعتماد مکن، هر کتابی را و هر جزوی را مقدم مدار. اگر روایتی شنوی به روایانِ سخن اندر نگر، سخن مجهول از راوی معروف مشنو و بر خبرِ آحاد اعتماد مکن مگر از راویانِ معتمد و از خبر متواتر مگریز و مجتهد باش و به تعصب سخن مگوی و اگر مناظره کنی به خصم نگر اگر قوتِ او داری و خواهی که سخن بسیط گردد مداخله کن به مسئله‌ها و اگر نه سخن را موقوف گردان و به یک مثال قناعت کن و به یک حجَّت طرد و عکس بهم مگوی نخستین را نگاه دار تا سخنِ پسین تباه نکند. اگر مناظرهٔ فقهی بود آیت را بر خبر مقدم دار و خبر را بر قیاس مقدم دار و ممکنات گوی و در مناظرهٔ اصولی موجبات و ناموجبات و ممکنات و ناممکنات بهم عیب بود جهد کن تا غرض معلوم کنی و سخن با زینت گوی، دُم بریده مگوی و نیز دُم دراز و بی‌معنی مگوی.

و اگر مُذکر باشی حافظ باش و یاد بسیار گیر و هرگز بر زبرِ کرسی جدل مکن و مناظره مکن الا که دانی که خصم ضعیف‌ست و بر سر کرسی بهرچه خواهی دعوی مکن که آنجا سایل باشی مجیب کس نَبود و تو زبان فصیح کن و چُنان دان که آن مجلسیانِ تو همه بهایم‌اند چنانکه خواهی همی‌گوی تا به سخن اندر نمانی و لکن

جامه‌پاک دار و مریدان نعره زن دار چنانکه در مجلسِ تو باشند تا به هر نکته که تو بگویی وی نعره بزند و مجلس گرم همی‌دارد و چون مردم بگریند تو نیز وقت وقت همی‌گری. و اگر به سخنی درمانی باک مدار به صلوات و تهلیل و گرم سخنی همی‌گذران و بر سرِ کرسی گران جان و ترش روی و سرد عبارت مباش که آنگه مجلسِ تو نیز همچون تو گران جان بود، از آنچه گفته‌اند: "کُلّ شیء من الثقیلِ ثَقیل"[1] و متحرک باش اندر سخن و درمیانِ گرمی زود سست مشو و مادام مستمع را نگر، اگر مستمع نکته خواهد نکته گوی و اگر فسانه خواهد فسانه‌گوی که ندانی که عام خریدار چه باشند و چون قبول افتاد باک مدار، بدترین سخنی به بهترین همی‌فروش که به وقتِ قبول بخرند لکن اندر قبول دایم با ترس باش که خصمِ مذکر از درِ قبول پدیدآید و جایی که قبول نه یابی قرار مگیر و هر سؤالی که از تو پرسند آن را که دانی جواب ده و آن را که ندانی بگوی که: چنین مسئله نه سرِ کرسی را بُوَد به خانه آیی تا به خانه جواب دهم که خود کسی به خانه نیاید بدان سبب و اگر تعمُّد کنند و بسیار نویسند رقعه را بدَر و بگوی که: این مسئله ملحدان‌ست و زندیقان است سایل این مسئله زندیق‌ست، همه بگویند که: لعنت بر ملحدان باد و زندیقان که دیگر آن مسئله از تو کس نیارد پرسیدن و سخنی که در مجلس گفتی حفظ دار که چه

---

[1] ہر چیز اپنے بوجھ سے بوجھل ہے۔

گفتی که تا بدان اوقات دیگر باره آن را تکرار نکنی، هر وقت تازه روی باش و در شهرها بسیار منشین که مذکران و فال‌گویان را روزی اندر پای بود و قبول در روی تازگی و ناموس مذکری نگاه دار، همیشه جامه و تن پاک دار و ظاهر و باطن به معاملهٔ شرعی آراسته دار چون نماز و روزهٔ تطوع و چرب‌زبان باش و در بازار درمیان عام بسیار مگرد تا به چشم عام عزیز باشی و از قرینِ بد پرهیز کن و ادبِ کرسی نگاه دار و این شرط جای دیگر یاد کرده‌ام و از تکبر و دروغ و رشوت دور باش و خلق را آن فرمای کردن که تو کنی که تا عالمِ منصف باشی و علم را نیکو بدان و آنچه بدانستی به نیکوترین عبارتی بکار دار تا خجل نباشی به دعوی کردنِ بی‌معنی و در سخن گفتن و موعظه دادن هرچه گویی با خوف و رجا گوی، یک‌باره خلق را از رحمت خدای تعالی نومید مکن و نیز یک‌باره بی‌طاعت هیچ کس را به بهشت مفرست. بیشتر آن گوی که بر آن ماهر باشی و نیک معلومِ تو گشته باشد تا در سخن دعوی بی‌حجت نکرده باشی که عاقبت دعوی بی‌حجت شرمساری بود.

فصل

پس اگر از دانشمندی به درجهٔ بزرگتر اوفتی و قاضی شوی چون قاضیان حَمول و آهسته باش و زیرک و تیز فهم، صاحب‌تدبیر و پیش بین و مردم شناس و صاحب سیاست و دانا به علم دین و شناسندهٔ طریقه‌های هر گروه و از احتیالِ هر گروه و ترتیب هر

مذهبی و هر قومی آگاه باش و باید که حیلِ قضاة ترا معلوم باشد تا اگر وقتی مظلومی به حکم آید و وی را گوایی نباشد و بر وی ظلم رود و حقی از آن وی بخواهد رفتن از کار آن مظلوم بر رسی و به حیله و تدبیر آن مستحق را به حق خویش رسانی.

حکایت

چنانکه به طبرستان قاضی‌القضاة ابوالعباسِ رویانی[1] بود و وی مردی مستور بود و با علم و ورع و پیش‌بین و صاحب‌تدبیر و وقتی به مجلسِ او مردی پیشِ او به حکم آمد و بر مردی صد دینار دعوی کرد. قاضی از آن خصم پرسید. آن مرد انکار کرد. قاضی این مدعی را گفت: گواه داری؟ گفت: ندارم. قاضی گفت: پس وی را سوگند دهم. مدعی بگریست زار زار و گفت: ای قاضی زینهار! وی را سوگند مده که وی بر سوگند خوردن دلیر شده است و باک ندارد. قاضی گفت: من از شریعت بیرون نتوانم شد یا ترا گواه باید یا وی را سوگند رسد. مرد در پیشِ قاضی در خاک همی‌گردید و همی‌گفت: زینهار! ای قاضی مرا گواه نیست و وی سوگند بخورد و من مظلوم و مغبونم، زنهار بگردن تو تدبیر کن قاضی چون زاری مرد بدید بدانست که راست همی‌گوید. گفت: ای خواجه وام دادنِ تو او

---

[1] ان بزرگ کے بارے میں ((تاریخ طبری)) میں بہاء الدین محمد کاتب نے تفصیل سے لکھا ہے، تاریخ طبری کی تالیف کے زمانے میں یعنی ۶۱۳ ہجری میں شمس المعالی قابوس کی ولایت میں حاکم شریعت تھے۔

را چگونه بوده است؟ از اصلِ کار مرا باز گوی تا بدانم که این کار چون رفته است؟ این مظلوم گفت: زندگانی قاضی دراز باد، این مرد مردی بود چند ساله دوستِ من، اتفاق افتاد که بر پرستاری عاشق شد قیمت وی صد و پنجاه دینار و مایهٔ این مرد کم از صد و پنجاه دینار بود و هیچ وجهی نمی‌دانست، شب و روز چون شیفتگان همی‌گشتی و همی‌گریستی و زاری همی‌کردی. روزی به تماشا رفته بودیم من و وی در دشت تنها همی‌گردیدیم، زمانی جایی بنشستیم. این مرد با من سخنِ این کنیزک همی‌گفت و زار همی‌گریست و دل من بر وی بسوخت که بیست ساله دوست من بود. وی را گفتم: ای فلان ترا زر نیست تمام و مرا نیز نیست و هیچ کس دانی که در این معنی فریاد تو نخواهد رسید امّا مرا در همه جهان صد دینارست به سال‌های دراز جمع کرده‌ام. این صد دینار ترا دهم و تو باقی بر سر نهی و این کنیزک را بخری و یک ماه مراد خویش از وی بر گیری و پس از ماهی بفروشی و زر من باز دهی. این مرد پیش من به خاک بگردید و سوگندان خورد که یک ماه بدارم و پس از آن اگر به زیان خرند بفروشم و زر تو باز دهم. من آن زر را از میان بگشادم و بدو دادم، من بودم و او و خدای عزوجل، اکنون چهار ماه برآمد نه زر من باز همی‌دهد و نه کنیزک همی‌فروشد. قاضی گفت: کجا نشسته بودی بدین وقت که زر بدو دادی؟ گفت: به زیر درختی. قاضی گفت: پس که به زیر درختی بودی چرا می‌گویی که گواه ندارم؟ این خصم را گفت: هم اینجا بنشین پیش من و مدعی را

گفت: دل مشغول مدار برو و زیر آن درخت دو رکعت نماز کن و صد بار بر پیغامبر صلی الله علیه وسلم درود ده و آن درخت را بگوی که: قاضی ترا همی‌خواند، بیا و گواهی من بده. خصم تبسُّم کرد، قاضی بدید و بر خویشتن پوشیده کرد. مدعی گفت: ای قاضی ترسم که آن درخت به فرمان من نیاید. قاضی گفت: این مُهرِ من ببر و درخت را گوی که: این مُهر قاضی است، همی‌گوید: بیا و گواهی که ببرِ توست بده اندرین باب. مرد مُهر بستد و برفت و مرد دیگر پیش قاضی بنشست و قاضی به حکم‌های دیگر مشغول شد، خود بدین مرد نگاه نکرد تا یکبار در میانهٔ حکمی که همی‌کرد رو سوی این مرد کرد و گفت: فلان آن جای رسیده باشد یا نه؟ این مرد گفت: نه هنوز. قاضی به حکم مشغول شد. آن مرد مُهر به درخت نمود و گفت: قاضی ترا همی‌خواند، چون زمانی بنشست، از درخت جواب نیامد، غمناک شد و بازگشت و پیش قاضی آمد و گفت: ای قاضی رفتم و مُهر نمودم، نیامد، قاضی گفت: غلطی که درخت آمد و گواهی داد و روی به خصم کرد و گفت: حقِ این مرد بده یا کنیزک را بفروشم و زر به وی دهم. مرد گفت: ای قاضی تا من اینجا نشسته‌ام هیچ درخت نیامد. قاضی گفت: راست‌گویی، درخت نیامد امَّا اگر تو این زر از وی نگرفته‌ای زیر آن درخت که من از تو پرسیدم که مرد رسیده باشد بدان درخت یا نه تو چرا نگفتی که کدام درخت؟ من ندانم که وی کجا رفته است؟ و مرد را الزام کرد و زر بستد و به خداوندِ حق داد.

پس همه حکم‌ها از کتاب نکنند از خویشتن نیز باید که چنین استخراج‌ها کنند و تدبیرها سازند و دیگر باید که در خانهٔ خویش سخت متواضع باشی اما در مجلسِ حکم بهیبت نشینی و ترش روی و بی‌خنده و با جاه و حشمت باشی، گران سایه و اندک گوی و بسیار نیوش و از شنیدن سخن و حکم کردن البته ملول نه شوی و از خویشتن ضجرت ننمایی و صابر باشی و مسئله‌ای که بیفتد همه اعتماد بر رأی خویش مکن و از مفتیان نیز مشورت خواه و رأی خویش مادام روشن دار و پیوسته خالی مباش از درسِ مذهب و مسایل مذهب. و چنانکه گفتم تجربت‌ها نیز بکار دار که در شریعت رأی قاضی برابر رأی شریعت است و بسیار حکم بود که از رأی شرع گران آید قاضی سبک بگیرد، چون قاضی مجتهد بود روا بود. پس قاضی باید که مجتهد و دانا بود و فقیه و پارسا بود و باید که به چند وقت حکم نکند: یکی بگرسنگی و تشنگی و از گرما به برآمده، بوقت دل تنگی و اندیشهٔ دنیائی که پیش آید و وکیلان جلد پیش دارد و نگذارد که در وقت حکم کس قصه و سر گذشت خویش گوید و شرح حال خویش نماید، بر قاضی شرط حکم کردنست نه متفحصی که بسیار تفحص بود که ناکرده به بود و سخن کوتاه کند و زود بسوی گواه و سوگند کشد. جایی که داند که مال بسیارست و مردم نا باکی بکند هر تجربتی و تجسسی که بتواند بکند و هیچ تقصیر نه کند و سهل نگیرد و مادام معدلانِ نیک را هم بر خود دارد و حکم کرده هر گز باز نشکافد و امر خویش را قوی و

محکم دارد و هرگز بدست خویش قباله و منشوری ننویسد الا که ضرورتی بُود و خط خویش را عزیز دارد و سخن خود را تبجیل کند و بهترین هنری قاضی را عمل‌ست و ورع، پس اگر این صناعت نورزی و این توفیق نیابی و نیز لشکری پیشه نباشی باری طریق تجارت بر دست گیر تا مگر از آن نفعی یابی که هرچه از تجارت بدست آری حلال بود و به نزدیک هر کسی پسندیده و ستوده بود.